

داستانِ ہجرت و نصرت

شام کے مظلوم مہاجر اور ترکی کے غیور انصار

FATIH FOUNDATION

فاتح فاؤنڈیشن

داستانِ
ہجرت و نصرت

شام کے مظلوم مہاجر اور ترکی کے غیور انصار

فاتح فاؤنڈیشن

نام رسالہ	:	داستانِ ہجرت و نصرت
تالیف	:	شعبۂ تصنیف و تالیف
سن اشاعت	:	ستمبر 2019ء بہ مطابق محرم 1441ھ
تعداد اشاعت	:	1100
ناشر	:	**فاتح فاؤنڈیشن**
ویب سائٹ	:	fatihfoundation.com
ای میل	:	info@fatihfoundation.com
واٹس ایپ	:	0323-4455814

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے

شکوہِ ترکمانی ، ذہنِ ہندی ، نطقِ اعرابی

اقبالؔ

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	امید بھی نوید بھی	5
2	پیش لفظ	6
3	سرزمینِ شام کی فضیلت: قرآن اور احادیث کی روشنی میں	10
4	شام کی سیاسی صورت حال: منظر و پس منظر	18
5	شامی خانہ جنگی میں عالمی طاقتوں کے مفادات اور ترکی کا مسیحانہ کردار	28
6	تا کس نگوید بعد ازیں۔۔۔ من دیگرم تو دیگری	37
7	پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق	49
8	ہنگامۂ طرابلس و بلقان (نظم)	55

امید بھی نوید بھی

حضرت مولانا مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب مد ظلہ

ترکی کے اصلاح پسند گزشتہ چند عشروں سے چومکھی لڑ رہے ہیں۔ اس دوران وہ اندرونی محاذ پر کس قدر کامیاب ہیں اس کا جائزہ تو لیا جاتا رہتا ہے، لیکن بیرونی دنیا خاص کر اپنے قدیم اور تاریخی و روایتی حلیف پاکستان میں جدید ترکی کے تعارف کی مہم ترک حضرات کے بجائے وہ پاکستانی احباب چلا رہے ہیں جو حالیہ سالوں میں ترکی کے سفر پر گئے اور پھر بے ساختہ اپنے سفر کی روداد لکھنے پر مجبور ہو گئے۔ ماضی کی دریافت کی جو کوششیں ان سفرناموں کے ذریعے ہوئیں اور ماضی کے دریچوں سے جھانک کر روشن مستقبل کی جو امید ان تحریروں نے دکھائی ہے وہ در حقیقت عظیم ماضی کی تلاش اور درخشاں مستقبل کی پیش بندی ہے۔ ان تحریروں میں آنکھوں دیکھا حال بھی ہے جو امید بندھاتا ہے اور کانوں سنی کارگزاری بھی ہے جو نوید بن کر جھلملاتی ہے۔ پاکستان اور ترکی امتِ مسلمہ کے دو بازو ہیں جو جس قدر قریب آئیں اتنا ہی دونوں کا فائدہ ہے اور جتنی جلد قریب آئیں اس میں پوری امت کے لیے خیر کے متعدّد پہلو مضمر ہیں۔ یہ کتاب اسی نیک مقصد کے حصول کے لیے لکھی گئی ہے اور امید ہے کہ اس مقصد کی تکمیل میں مؤثر اور کارگر ثابت ہوگی۔

پیش لفظ

پیشِ نظر کتابچہ پانچ مضامین پر مشتمل ہے، جس میں گزشتہ ماہ و سال کے دوران شامی مسلمانوں پر ہونے والے مظالم اور ان کے نتیجے میں ہم پر عائد ہونے والی ذمے داریوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ سب سے پہلے ارضِ شام کی فضیلت ازروے قرآن وحدیث ذکر کی گئی ہے، اس کے بعد شام کی مختصر تاریخ اور موجودہ صورتِ حال پر روشنی ڈالی گئی ہے، پھر اس صورتِ حال کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل اور ان مسائل کے حل میں ترکی کا اہم کردار واضح کیا گیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ برِ صغیر کے مسلمانوں کا ہمیشہ سے عالمِ اسلام کے لیے بڑھ چڑھ کر کوششیں کرنا اور امت کے غم کو اپنا غم سمجھنا تاریخی حوالوں سے واضح کیا گیا ہے اور آخری مضمون میں اس بات کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے کہ ہمیں اپنی تاریخ کو دہرانے کی ضرورت ہے یعنی شام کے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے کمر کسنے کی ضرورت ہے تاکہ ہم اسلام کی روایت کے عین مطابق ترک انصار کے انصار بنیں۔

رسالے کا نام ''داستانِ ہجرت و نصرت'' رکھا گیا ہے یعنی شامی مسلمانوں کا ترکی کی طرف ہجرت کرنا اور ترکی کا بحیثیت انصار ان کی نصرت کرنا۔ اس رسالے کے مضامین سے قبل یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ یہ ''داستانِ ہجرت و نصرت'' کیا ہے؟

داستانِ ہجرت ایک ایسی خوں چکاں داستان ہے جس کا ہر باب ستم ظریفی و شقاوت قلبی سے عبارت ہے۔ ہر وہ شخص جو مفاد پرستی وابن الوقتی کے حصار میں مقید نہ ہو اور قلبِ مصفّٰی وفطرتِ سلیمہ کا حامل ہو اس داستان کو پڑھتے وقت رنج والم سے مخمور، آنسوؤں کا ایک سیل رواں اپنے دامن میں سمیٹنے پر خود کو مجبور پائے گا۔ ایک ایسی لہو رنگ داستان جو بیسویں صدی

کے اس ''مہذب'' دور کا سیاہ ترین باب ہے۔ یہ داستان عہدِ جدید کے دعویداروں، امن وسلامتی کے علمبرداروں اور ''نئے عالمی نظام'' کے گماشتوں کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔

شاید کوئی کج فہم یہ وسوسہ دل میں لائے کہ درج بالا تعبیرات محض علی سبیل المبالغہ قلم سے سرزد ہوئیں، تو اسے چاہیے کہ وہ دیکھ لے کیمیائی ہتھیاروں سے جھلسی ہوئی شامی بچوں کی لاشیں، بوقتِ ہجرت معصوم شامی بچیوں کے ہاتھوں سے گھروں کی دیواروں پر لکھی ہوئی عبارتیں کہ ''اب کوئی عمر رضی اللہ عنہ نہیں آئے گا جو ہمیں کافروں کے ظلم سے بچائے''، وہ اسلام دشمنی میں سرفہرست سنگ دل یہودیوں اور عیسائیوں کا بھی اقوامِ متحدہ میں بشار الاسد کی برپا کی ہوئی بربریت کے خلاف بلبلا اٹھنا، وہ ''یونیسیف'' کا بھی اپنی ویب سائٹ پر شامی مظالم کے خلاف احتجاجی اعلامیہ جاری کرنا جس میں صفحے کے آغاز میں یہ سطر لکھ کر پورا صفحہ خالی چھوڑ دینا کہ ''کوئی الفاظ ان جاں بحق بچوں، ان کے ماں باپ اور پیاروں کو انصاف نہیں دلا سکتے''، وہ سادات اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا، ارضِ مقدس کے باسیوں کا، دمشق، حلب، ادلب وغیرہ کے علمائے ذی وقار کا عالمِ بے سروسامانی میں دربدر پھرنا۔ ان کے دل دوز نالوں اور جگر سوز نواؤں کو سننے والا اور ان بے کسوں کے احوال پڑھنے والا بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ ؎

مجھے اک گلی میں پڑا ہُوا کسی بدنصیب کا خط ملا
کہیں خونِ دل سے لکھا ہُوا، کہیں آنسوؤں سے مٹا ہُوا

اور ان شامی مسلمانوں کی سوختہ حالی یوں گویا ہوتی ہے کہ ؎

مری زندگی کے چراغ کا یہ مزاج کوئی نیا نہیں
ابھی روشنی، ابھی تیرگی، نہ جلا ہُوا نہ بجھا ہُوا

مجھے جو بھی دشمنِ جاں ملا، وہی پختہ کارِ جفا ملا
نہ کسی کی ضرب غلط پڑی نہ کسی کا تیر خطا ہُوا
مجھے آپ کیوں نہ سمجھ سکے یہ خود اپنے دل ہی سے پوچھیے
مری داستان حیات کا تو ورَق ورَق ہے کُھلا ہُوا

کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم فلسطینیوں، شامیوں، برمیوں اور کشمیریوں کی بے گور و کفن لاشوں سے عبرت پکڑو اور اپنا پُر تعیش طرزِ زندگی چھوڑ کر، لذاتِ عارضی سے کنارہ کش ہو کر، دنیائے دوں کے محور سے باہر نکلو اور تصورِ امت کو اپنا لو، وہ امت جسے جسدِ واحد سے تعبیر کیا گیا، اس امت کی خاطر کچھ کر گزرنے کا عزم مصمم کر لو اور بقول شاعرِ مشرق۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

کیا یہ بہتر نہیں کہ کسی نتیجے کا انتظار کیے بغیر ذاتی حیثیت میں اصلاحِ امت کے لیے کوشاں رہو اور اپنی استطاعت کے بقدر تگ و دو کرتے جاؤ۔

شکوۂ ظلمتِ شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

تاکہ اِس دنیا سے رخصت ہوتے وقت کیف و سرور کے عالم میں حافظؔ کا یہ شعر زبان پر جاری ہو۔

حاصلِ عمر نثار رہ یارے کردم
شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

اور بعد از مرگ آنے والی نسلوں میں مشعلِ راہ کے طور پر گردانے جاؤ۔

بارے دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

اس دنیا میں رہنے کے دو ہی طریقے ہیں یا اسے مطلوب و مقصود بنا کر﴿فَأَمَّا مَن طَغَىٰ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ﴾ کے مصداق بن جاؤ یا پھر﴿وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ﴾ کو حرزِ جان بنا کر رضاے الٰہی کے حصول کے لیے کمربستہ ہو جاؤ، درمیان کا کوئی راستہ نہیں، وگرنہ جو اس کوشش میں رہا کہ کارِ دنیا بھی سنور جائے اور دامنِ عقبیٰ بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے پس وہ حماقت کی راہ چلا۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیاے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

اور دنیا نے اسے خدا سے غافل بنا کر چھوڑ دیا، چنانچہ ایسے شخص میں اور ایک حیوان میں کوئی فرق نہ ہوا بلکہ﴿أُولَـٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ﴾ کے مصداق وہ حیوان سے بھی گیا گزرا ہوا۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

﴿فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ﴾

حماد احمد ترک

رکن شعبۂ تصنیف و تالیف

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ

سرزمینِ شام کی فضیلت: قرآن اور احادیث کی روشنی میں

جناب جمیل الرحمان عباسی صاحب

قرآن کریم میں جابجا سرزمینِ شام کی فضیلت کے اشارے ملتے ہیں جن کی طرف مفسرینِ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اپنے تفسیری اقوال میں متوجہ کیا ہے۔ ارضِ مقدس کی تفسیر حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے یوں منقول ہے:

عَنْ قَتَادَةَ فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللهُ لَكُمْ﴾ (المائدة: 21) قَالَ: هِيَ الشَّامُ[1]۔

ترجمہ: سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مذکورہ آیت مبارکہ کی تفسیر میں منقول ہے کہ جس ارض مقدس کا وعدہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا وہ ارض شام تھی۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ مقدس زمین کہ جس کی بادشاہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو پیش کی گئی وہ ارض شام تھی یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اس دور کی امتِ مسلمہ کے لیے کسی زمین کا چناؤ کیا تو تمام دنیا میں اس زمین کو چنا۔ اسی طرح ایک اور آیت کی تفسیر حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہی منقول ہے کہ:

عَنْ قَتَادَةَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ﴾

1: فضائل الصحابة، أحمد بن حنبل، مؤسسة الرسالة برقم 1713 وقال المحقق وصی اللہ محمد عباس إسناده صحيح إلى قتادة ورواه ابن جرير في تفسيره من طريق عبد الرزاق۔

﴿الأنبیاء: 71﴾ قَالَ: أَنْجَاهُمَا اللهُ مِنْ أَرْضِ الْعِرَاقِ، إِلَى أَرْضِ الشَّامِ[2]۔

ترجمہ: سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مذکورہ آیت مبارکہ میں مذکور بابرکت زمین کی تفسیر میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا لوط علیہ السلام کو عراق سے بچا کر ملک شام کی طرف نکالا تھا۔ اس اثر سے معلوم ہوا کہ یہی وہ مبارک مقام ہے جہاں بھیج کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا لوط علیہ السلام کو نجات دی گئی گویا یہ مقام ان کا منجأ و ماویٰ ہوا۔ اسی آیت کی تفسیر حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے: عَنْ مُجَاهِدٍ رحمہ اللہ فِي قَوْلِهِ: ﴿إِلَى الأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا﴾ قَالَ: الشَّامُ[3]۔

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ فرمان خداوندی کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ برکت والی سرزمین سے مراد ارضِ شام ہے۔ یعنی یہی وہ مقام ہے جس میں خصوصی برکت رکھی گئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے شام کی فضیلت ایک دلچسپ انداز میں بیان کی:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: ﴿إِنَّ الْخَيْرَ قُسِّمَ عَشَرَةَ أَعْشَارٍ، فَتِسْعَةٌ بِالشَّامِ، وَعُشْرٌ بِهَذِهِ، وَإِنَّ الشَّرَّ قُسِّمَ عَشَرَةَ أَعْشَارٍ، فَتِسْعَةٌ بِهَذِهِ، وَعُشْرٌ بِالشَّامِ﴾[4]۔

ترجمہ: سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک خیر کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا پس نو حصے تو شام میں رکھے گئے اور دسواں اِدھر باقی زمین میں اور شر کے بھی دس حصے کیے گئے اس کے نو حصے تو باقی زمین میں ہیں اور دسواں حصہ شام میں رکھا گیا ہے۔ اس مقام کی بقیہ مقامات پر فضیلت کو بیان کرنے کے لیے ایک فصیح و بلیغ انداز اپنایا گیا، لہٰذا نہ صرف اس مقام کی برتری کا اظہار کیا گیا بلکہ بقیہ مقامات کا اس کے بالمقابل کمتر ہونا ظاہر ہوا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

2: فضائل الصحابة، أحمد بن حنبل، مؤسسة الرسالة برقم 1715 وقال المحقق وصی الله محمد عباس إسناده صحيح ورواه ابن جرير في تفسيره وعبد بن حميد، وابن المنذر وابن أبي حاتم، وابن عساكر۔

3: قال السيوطي۔ رحمه الله۔ في الدر المنثور أخرجه ابْنُ الْمُنْذر۔

4: فضائل الصحابة، أحمد بن حنبل، مؤسسة الرسالة، برقم 1709۔

نے اس سرزمین کو اپنی خاص دعاؤں سے بھی نوازا اور اس کے بارے میں بہت سی بشارتیں بیان کیں۔ ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ کی شام کے لیے دعا بیان ہوئی:

﴿عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا. قَالُوا وَفِي نَجْدِنَا؟ قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا. قَالُوا وَفِي نَجْدِنَا؟ قَالَ هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا أَوْ قَالَ مِنْهَا يَخْرُجُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ﴾[5]۔

ترجمہ: عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے (دعا کرتے ہوئے) فرمایا: اے اللہ! ہمیں ہمارے شام میں برکت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے یمن میں برکت عطا فرما اس پر سامعین نے کہا اور ہمارے نجد میں بھی؟ اس پر آپ ﷺ نے دوبارہ یوں دعا فرمائی: اے اللہ! ہمیں ہمارے شام میں برکت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے یمن میں برکت عطا فرما۔ اس پر سامعین نے دوبارہ کہا اور ہمارے نجد میں بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہاں تو زلزلے ہوں گے اور فتنے اٹھیں گے اور یہیں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شام تو انبیاے کرام علیہم السلام کے بکثرت بعثت کی وجہ سے پہلے ہی سے برکت والا ہے جس کی طرف سورۃ الاسراء کی پہلی آیت میں اشارہ کیا گیا: ﴿إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ﴾ تو پھر نبی اکرم ﷺ کی شام کے لیے دعاے برکت سے اضافۂ برکت مراد ہو گا یا اس برکت میں اہل مدینہ اور اہل ایمان کے لیے خصوصی حصہ لینے کی دعا ہے اور برکت سے برکت ظاہری و معنوی دونوں مراد ہیں۔[6] ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق وہ مقدس شام جو انبیا کا مسکن رہا لہٰذا ابتدا ہی سے برکتوں والا

5: رواه البخاري وأحمد والترمذي واللفظ له وقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

6: المرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح، ملا علی قاری رحمہ اللہ باب ذكر اليمن والشام وذكر أويس القرني۔

ہے، اس پر مستزاد ہے امام الانبیاء کا اس زمین کے واسطے مزید برکت کی دعا کرنا اور ساتھ ہی اس کو اپنی طرف نسبت دینا۔

ایک اہم تنبیہ اس حوالے سے ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اہل شام ہوں یا اہل نجد، یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ جن کی تعریف کی گئی وہ سارے ہی نیک ہوں گے اور جن کی مذمت کر دی گئی وہ سارے ہی لازماً برے ہی ہوں گے، بلکہ دونوں علاقوں میں رلے ملے لوگ ہوں گے۔

اس سلسلے میں درج ذیل حدیث اہم ہے جس میں امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کرنے کا ذکر ہے:

﴿فَيُبَايِعُونَهُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ، وَيُبْعَثُ إِلَيْهِ بَعْثٌ مِنَ الشَّامِ، فَيُخْسَفُ بِهِمْ بِالْبَيْدَاءِ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ، فَإِذَا رَأَى النَّاسُ ذَلِكَ أَتَاهُ أَبْدَالُ الشَّامِ، وَعَصَائِبُ أَهْلِ الْعِرَاقِ، فَيُبَايِعُونَهُ﴾(7)۔

ترجمہ: پس لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان تو شام کی طرف سے ایک فوج ان کے خلاف بھیجی جائے گی تو اس فوج کو مکہ اور مدینہ کے درمیان ویرانے میں زمیں میں دھنسا دیا جائے گا پس جب لوگ یہ (کرامت) دیکھ لیں گے تو ان کے پاس شام کے ابدال اور عراق کے عصائب آئیں گے اور ان سے بیعت کر لیں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے شام کی فضیلت کے باوجود وہاں کچھ ایسے عناصر موجود ہوں گے جو برحق گروہ کے خلاف میدان میں نکلیں گے۔ اس کا احتمال تو بہرحال موجود ہے کہ یہ فوج شام میں سے تو روانہ ہو لیکن اہل شام میں سے نہ ہو لیکن اس کے برعکس بھی عین ممکن ہے کہ شام میں رہنے والے کچھ مخالفِ حق عناصر ہی ہوں جو بیرونی طاقتوں کے زیرِ سایہ اس ناپاک مشن پر روانہ ہو کر اللہ کے عذاب کا مزہ چکھیں۔ أعاذنا الله منه!

7: رواه أبو داود في سننه وسكت عنه، وأحمد في مسنده، وحسنه عبد القادر الأرنؤوط في تحقيق جامع الأصول وقال ابن القيم في المنار المنيف في الصحيح والضعيف الْحَدِيثُ حَسَنٌ وَمِثْلُهُ مِمَّا يَجُوزُ أَنْ يُقَالَ فِيهِ: ''صَحِيحٌ''.

ایک اور روایت میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

﴿عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يَنْزِلُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ علیہ السلام عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ﴾[8]۔

ترجمہ: سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سیدنا عیسی علیہ السلام دمشق کے شرقی حصے میں ایک سفید رنگ کے منارے پر نزول فرمائیں گے۔

ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے شام کے لیے ان الفاظ میں بشارت دی:

﴿عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ نُؤَلِّفُ الْقُرْآنَ مِنَ الرِّقَاعِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: طُوبَى لِلشَّامِ (ثَلَاثَ مَرَّاتٍ)، فَقُلْنَا: لِأَيٍّ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ لِأَنَّ مَلَائِكَةَ الرَّحْمَنِ بَاسِطَةٌ أَجْنِحَتَهَا عَلَيْهَا﴾[9]۔

ترجمہ: زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس، مختلف پارچہ جات سے قرآن کی ترتیب و تالیف میں مصروف تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شام کے لیے بشارت ہو! شام کے لیے بشارت ہے! شام کے لیے خوش خبری ہے! ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کس لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیونکہ رحمن کے فرشتے اس پر اپنے پروں کو پھیلائے رہتے ہیں۔

ذخیرۂ احادیث میں بہت سی روایات اس طرف بھی دلالت کرتی ہیں کہ زمانۂ آخر میں جب دنیا فتنوں میں گھری ہوگی تو رحمتِ الٰہی کا مرکز شام ہوگا۔ درج ذیل احادیث سے روزِ روشن کی طرح یہ بات عیاں ہے کہ اُس زمانے میں کہ جب فتنوں کا تانتا بندھا ہوگا اور فتنے

---

8 : رواہ الطبرانی فی معجم الکبیر و مسلم فی الصحیح بطولہ۔

9 : رواہ الطبرانی فی معجم الکبیر، و أحمد فی مسندہ۔

بارش کے قطروں کی طرح نازل ہو رہے ہوں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ ملک شام کی حفاظت فرمائیں گے، وہ اس دور میں اہلِ ایمان کے لیے جائے امان ہو گا۔ لہٰذا مؤمنوں کی صورت اس مقام پر ایمان جمع ہو گا اور وہ اس اندھیری رات میں اس روشن قندیل کی مانند ہو گا جو خود میں ایمان کا نور جمع کیے ہوئے ہو گا اور پھر یہی نور تمام عالم میں پھیلے گا۔

چنانچہ ایک موقعے پر آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَوَالَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: سَتُجَنَّدُونَ أَجْنَادًا جُنْدًا بِالشَّامِ، وَجُنْدًا بِالْعِرَاقِ، وَجُنْدًا بِالْيَمَنِ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ اخْتَرْ لِي، قَالَ: عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ، فَإِنَّهُ خِيَرَةُ الْمُسْلِمِينَ وَصَفْوَةُ اللهِ مِنْ بِلَادِهِ، يَجْتَبِي إِلَيْهَا صَفْوَتَهُ مِنْ خَلْقِهِ فَمَنْ أَتَى فَلْيَلْحَقْ بِيَمَنِهِ، وَلْيَسْقِ مِنْ غُدُرِهِ، فَإِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ تَكَفَّلَ لِي بِالشَّامِ وَأَهْلِهِ﴾ (قال الراوی وَمَنْ تَكَفَّلَ اللهُ بِهِ فلا ضيعة عليه)[10]۔

ترجمہ: سیدنا عبد اللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب تمھاری کئی فوجیں بن جائیں گی ایک فوج شام میں ہوگی، ایک فوج عراق میں اور ایک فوج یمن میں ہوگی۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے لیے آپ ہی پسند فرمادیں، فرمایا: شام کو پکڑ لو کیونکہ وہ مسلمانوں کے لیے اللہ کے پسندیدہ اور چنیدہ شہروں میں سے ہے، اللہ اس شہر کے لیے اپنی مخلوق میں سے خاص لوگوں کو چنے گا پس جو کوئی اس شہر کو آئے تو وہ اس کے داہنے طرف کو اختیار کرے اور اس کے کنوؤں سے پیے، پس اللہ نے میرے لیے شام کی ذمے داری اٹھائی ہے راویِ حدیث فرماتے ہیں اللہ جس کا ذمہ اٹھالے اسے کوئی ضائع نہیں کر سکتا۔

10: رواہ الحاکم فی مستدرکہ وصححہ والذہبی، رواہ السمعانی فی فضائل الشام، رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، ورواتہ ثقات۔

ایک اور روایت میں فرمایا:

﴿عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہما، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُولُ: سَتَكُونُ هِجْرَةٌ بَعْدَ هِجْرَةٍ فَخِيَارُ أَهْلِ الأَرْضِ أَلْزَمُهُمْ مُهَاجَرَ إِبْرَاهِيمَ وَيَبْقَى فِي الأَرْضِ شِرَارُ أَهْلِهَا تَلْفِظُهُمْ أَرَضُوهُمْ تَقْذَرُهُمْ نَفْسُ اللهِ وَتَحْشُرُهُمُ النَّارُ مَعَ الْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيرِ﴾۔[11]

ترجمہ: سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا عن قریب ہجرت کے بعد ایک اور ہجرت ہوگی پس لوگوں میں سے بہترین لوگ وہ ہوں گے جو ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ کو پکڑیں گے اور باقی زمین میں شریر لوگ ہوں گے، انھیں ان کی زمین نکال باہر کرے گی۔ وہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوں گے اور آگ انھیں ان لوگوں کے ساتھ جمع کردے گی جنھیں مسخ کرکے بندر اور خنزیر بنایا گیا۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ غیب سے شام میں سمٹے ہوئے نورِ ایمان کا بھی مشاہدہ کروایا گیا:

﴿عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہما، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِنِّي رَأَيْتُ كَأَنَّ عَمُودَ الْكِتَابِ انْتُزِعَ مِنْ تَحْتِ وِسَادَتِي، فَأَتْبَعْتُهُ بَصَرِي فَإِذَا هُوَ نُورٌ سَاطِعٌ عُمِدَ بِهِ إِلَى الشَّامِ، أَلَا وَإِنَّ الْإِيمَانَ إِذَا وَقَعَتِ الْفِتَنُ بِالشَّامِ﴾۔[12]

ترجمہ: سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے دیکھا گویا کہ ایک کتاب کا عمود میرے تکیے کے نیچے سے کھینچ لیا گیا تو میں نے اس کے پیچھے نظر دوڑائی تو وہ ایک پھیلا ہوا نور تھا جو شام پر چھایا ہوا تھا، آگاہ ہو جاؤ جب فتنے برپا ہوجائیں گے تو ایمان شام میں ہوگا۔

11: رواہ أبوداود وسکت عنہ ورواہ الحاکم فی مستدرکہ وقال علی شرط البخاری والمسلم وأقرہ الذہبی۔

12: رواہ الطبرانی فی الکبیر والأوسط والحاکم فی المستدرک وقال: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وأقرہ الذہبی، والسمعانی فی فضائل الشام أبو الحسن الربعی فی فضائل الشام ودمشق۔

نیز کئی صحابہ نے نبی اکرم ﷺ سے فتنوں کے ادوار میں ہجرت کے متعلق سوال کیا کہ اس وقت کون سا مسکن اختیار کیا جائے تو نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ارض شام کی تلقین فرمائی اور اس کو ایمان کا آخری چراغ قرار دیا یہاں تک کہ جو کوئی وہاں نہ پہنچ سکے اُس کو بھی کسی نہ کسی درجے میں اس سے جڑے رہنے کی تلقین فرمائی۔ آخری زمانے کی عظیم ترین جنگ ”الملحمة العظمٰی“ کے زمانے میں بھی اہلِ ایمان کو شام کے ساتھ وابستہ رہنے کی تلقین کی گئی:

﴿عن أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ: إِنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، يَقُولُ يَوْمَ الْمَلْحَمَةِ الْكُبْرَى فُسْطَاطُ الْمُسْلِمِينَ، بِأَرْضٍ يُقَالُ لَهَا الْغُوطَةُ، فِيهَا مَدِينَةٌ يُقَالُ لَهَا دِمَشْقُ، خَيْرُ مَنَازِلِ الْمُسْلِمِينَ يَوْمَئِذٍ﴾۔[13]

ترجمہ: سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الملحمة العظمٰی“ کے دنوں میں مسلمانوں کا پڑاؤ (کیمپ) غُوطہ نامی علاقے میں ہوگا اسی علاقے میں دمشق نامی شہر ہوگا جو ان دنوں مسلمانوں کی بہترین جگہوں میں سے ہوگا۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا وَقَعَتِ الْمَلَاحِمُ، بَعَثَ اللهُ بَعْثًا مِنَ الْمَوَالِي [مِنْ دِمَشْقَ] هُمْ أَكْرَمُ الْعَرَبِ فَرَسًا، وَأَجْوَدُهُ سِلَاحًا، يُؤَيِّدُ اللهُ بِهِمُ الدِّينَ﴾۔[14]

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب جنگیں واقع ہوں گی اللہ تعالیٰ دمشق کے مضافات سے ایک لشکر اٹھائے گا وہ اہل عرب میں سے بہترین لوگ ہوں گے اور ہتھیاروں کے اعتبار سے بھی وہ مسلح ہوں گے اللہ ان کے ذریعے دین کی تائید و نصرت کرے گا۔

* * * * *

13: رواہ الحاکم فی مستدرکہ، وصححہ الذہبی۔

14: رواہ ابن ماجہ فی سننہ والحاکم فی مستدرکہ، وصححہ الذہبی۔

شام کی سیاسی صورت حال: منظر و پس منظر

جناب محمد ایاز صاحب

الجمهورية العربية السورية جسے اہلِ پاکستان ''شام'' کے نام سے جانتے ہیں مشرقِ وسطیٰ کا انتہائی اہم، بڑا اور قدیم ملک ہے، اس کا محلِ وقوع کچھ یوں ہے کہ اس کے مغرب میں لبنان، جنوب مغرب میں فلسطین اور اسرائیل، جنوب میں اردن، مشرق میں عراق اور شمال میں ترکی واقع ہے۔ شام کی موجودہ خانہ جنگی اکیسویں صدی کی سب سے بڑی خانہ جنگی ہے۔ ملک شام صرف آج ہی اس صورت حال سے دوچار نہیں بلکہ ماضی میں بھی مختلف بحرانوں کا شکار رہا ہے۔ البتہ شام کی موجودہ خانہ جنگی عالمی طاقتوں کی باہم زور آزمائی کا نتیجہ ہے۔ شام کے ماضی پر اگر نظر ڈالی جائے تو ماضی میں شام پر کنعانی، عبرانی، اسیریائی اور بابلی اقوام نے نت نئی تہذیبوں کو جنم دیا۔ ان اقوام کا زمانہ 2500 قبلِ مسیح سے بھی پہلے کا ہے یعنی شام اُس وقت کی متمدن دنیا کا اہم حصہ تھا۔ اس کے بعد رومیوں، بازنطینیوں، یونانیوں، ایرانیوں اور عربوں نے بھی اس خطے پر حکومت کی۔

مسلمانوں نے 636ء میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اس خطے کو فتح کیا اور 661ء سے 750ء تک یہاں پر سلطنتِ امویہ قائم رہی۔ 750ء میں عباسیوں کے ہاتھوں سلطنت امویہ کی بے دخلی سے یہ خطہ عباسیوں کے زیر نگیں آگیا مگر دار الخلافہ بغداد منتقل کر دیا گیا۔ مملوکوں (قرونِ وسطیٰ میں مسلم خلفا اور ایوبی سلاطین کے لیے خدمات انجام دینے والے

مسلم سپاہی تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ زبردست عسکری قوت بن گئے اور ایک سے زیادہ مرتبہ حکومت بھی حاصل کی) نے 1260ء میں اس کو دوبارہ سلطنت کا دار الخلافہ بنایا۔

مختصراً یہ کہ یہ خطہ انیسویں صدی تک عثمانیوں کے تحت رہا۔ سلطنت عثمانیہ کی کمزوریوں کے بعد 1918ء میں فرانسیسیوں اور برطانویوں کے ایما پر وہاں ایک حکومت قائم ہوئی اور اس کے نتیجے میں شام کا زیادہ تر علاقہ فرانسیسیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ واقعہ کچھ یوں تھا کہ شریفِ مکہ نے برطانوی سامراج کے ایماء پر خلافتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے دمشق میں ایک حکومت قائم کرنے میں مدد کی جو فیصل بن حسین نے قائم کی۔ اس حکومت کے تحت 1919ء میں انتخابات ہوئے اور ایک پارلیمینٹ کا قیام وجود میں آیا مگر اصل طاقت برطانوی سامراج اور اس کے ہمنواؤں کے پاس ہی رہی۔ اس سے پہلے ایک معاہدہ 1916ء میں برطانیہ اور فرانس کے درمیان خفیہ طور پر ہوا تھا جسے "Sykes–Picot Agreement" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے تحت برطانیہ اور فرانس نے ایشیائی ممالک کو آپس میں بانٹ لیا تھا۔ اس طرح اس معاہدے کے تحت شام فرانس کے حصے میں آگیا تھا۔ 1920ء میں فرانسیسی افواج نے شام پر مکمل قبضہ کر لیا۔ اسی اثنا میں اس خطے میں کئی مزاحمتی تحریکوں نے جنم لیا۔ فرانس نے شام کو کئی دفعہ مصنوعی آزادی کا فریب دیا۔ 1932ء میں شام میں پہلی دفعہ آزادی کا اعلان ہوا مگر پارلیمینٹ فرانس کی مرضی کی تھی اور تمام کابینہ ایسے لوگوں پر مشتمل تھی جو فرانس کے ہم نوا تھے۔ لہذا شام اس وقت بھی ایک آزاد ملک نہ بن سکا۔

آزادی کی تحریکیں چلتی رہیں حتیٰ کہ اس پارلیمینٹ کو فرانس نے 1939ء میں دوسری جنگ عظیم کا بہانا بنا کر ختم کر دیا۔ فرانس کو 1940ء میں جرمنی کے ہاتھوں شکست ہوئی مگر شام پھر بھی آزاد نہ ہو سکا اور برطانوی اور فرانسیسی افواج نے 1941ء میں ایک بار پھر شام کو روند ڈالا۔ اپنا

قبضہ برقرار رکھنے کے لیے فرانس نے کئی پارلیمینٹیں تشکیل دیں اور مصنوعی حکومتیں بنوائیں مگر کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا۔ ایسی ہی ایک پارلیمینٹ 1943ء میں تشکیل دی گئی جس کے ساتھ ہی 1944ء میں فرانس نے آزادی کا معاہدہ کیا۔ مگر 1945ء میں فرانسیسی افواج نے دمشق کا محاصرہ کر کے زبردست بمباری کی اور پارلیمینٹ کی عمارت تباہ کر دی۔ اس بمباری میں شامی حکومت کے افراد کے علاوہ دو ہزار سے زیادہ عام لوگ، عورتیں اور بچے ہلاک ہوئے۔ اس وقت شام کے صدر شکری القوتلی تھے جن سے برطانوی سفیر نے ملاقات کی اور فرانس کے ساتھ صلح نامے پر دستخط کی تجویز دی جو انھوں نے رد کردی۔ ان کے اس عزم و حوصلے کے باعث ہی فرانس گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوا اور اسے اگلے سال شام خالی کرنا پڑا۔

شام کے اس مظلوم خطے نے دیگر طاقتوں کے مظالم کو جیسے تیسے برداشت کیا اور بالآخر نجات پائی مگر اب اپنوں کی زخم لگانے کی باری تھی۔ 30 مارچ 1949ء کو شامی فوج نے اپنی ہی حکومت کے خلاف شب خون مارا اور اس طرح یکے بعد دیگرے بغاوتوں کا یہ سلسلہ 1955ء تک جاری رہا۔ اس مختصر دورانیے میں تقریبا تین بار فوجی بغاوتیں ہوئیں۔ نو آزاد ملک کو مختصر وقت میں بہت سخت مراحل سے گزرنا پڑا۔ بالآخر عوامی دباؤ پر 1955ء میں انتخابات ہوئے اور ایک غیر فوجی حکومت قائم ہوئی جس نے مصر اور روس کے ساتھ تعلقات کو فروغ دیا اور مصر کے ساتھ تعلقات اس قدر بڑھ گئے کہ 22 فروری 1958ء کو مصر اور شام نے اتحاد کیا اور ایک متحدہ مملکت قائم کی جس کا نام متحدہ عرب جمہوریہ تھا۔ اس اتحاد کو ایک اور فوجی بغاوت نے توڑا اور شام ایک بار پھر ایک الگ ریاست کے طور پر سامنے آیا۔ 1970ء میں حافظ الاسد نے حکومت پر قبضہ کر کے صدر امین حفیظ کو برطرف کر دیا اور اگلے سال ریفرینڈم کروا کر ملک کا صدر بن گیا۔ شام کا موجودہ صدر بشار الاسد اسی حافظ الاسد کا بیٹا ہے۔

حافظ الاسد 1964ء میں شام کی فضائیہ میں کمانڈر کے عہدے پر فائز ہوا اور اس کے تین سال بعد وزیر دفاع بنا۔ 1970ء میں حکومت کا تختہ الٹ کر شام کا اقتدار اپنے ہاتھ میں لیا اور پھر بعث پارٹی کا لیڈر منتخب ہوا۔ شام میں ایک پارلیمانی جمہوری نظام قائم ہے۔ بعث پارٹی کو قانوناً سب سے زیادہ اختیار ہے۔ اگرچہ دیگر پارٹیاں بھی کام کرتی ہیں اور حکومتی نظام کا حصہ ہیں مگر بعث پارٹی کو ایک قانون کے تحت برتری حاصل ہے اور عملاً اسی کے نظریات کے تحت حکومت چلتی ہے۔ یہ پارٹیاں مل کر ایک کونسل بناتی ہیں جس کا انتخاب ہر چار سال بعد ہوتا ہے مگر اس کونسل کو محدود اختیارات حاصل ہیں۔ اصل اختیارات صدر کو حاصل ہیں جس کی صدارت کی توثیق کے لیے ہر سات سال بعد ایک ریفرینڈم ہوتا ہے۔ صدر کابینہ کا انتخاب کرتا ہے۔ صدر ہی فوج کا سربراہ ہوتا ہے اگرچہ خود فوجی نہیں ہوتا، یہ نظام بعث پارٹی کی حیثیت کو مضبوط رکھتا ہے۔

ایک سال کے بعد وہ ریفرینڈم کے ذریعے شام کا صدر بنا اور پھر کئی ریفرینڈموں کے ذریعے آخری دم تک عہدۂ صدارت پر باقی رہا۔ ایران کے ساتھ تعلقات میں شدید اضافہ اور اسرائیل کی مخالفت حافظ الاسد حکومت کی پالیسی کی نمایاں خصوصیات تھیں اور یہی تعلقات جو ایران کے ساتھ اس نے استوار کیے تھے آج کل شامی مسلمانوں کے لیے دردِ سر بنے ہوئے ہیں۔ 2000ء میں حافظ الاسد کے بعد اس کے بیٹے بشار الاسد کو صدر منتخب کیا گیا۔ اس نے بھی اپنے والد کی پالیسیوں کو آگے بڑھایا۔

شام کا حالیہ مسئلہ اس وقت کھڑا ہوا جب معاویہ سیاستی نامی ایک نوخیز لڑکے نے اپنے اسکول کی دیوار پر ایک جملہ لکھا کہ ''ڈاکٹر اگلی باری تمھاری ہے'' معاویہ سیاستی ایک شامی طالب علم تھا جو ساتویں جماعت میں پڑھ رہا تھا۔ معاویہ کے اس جملے کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ تیونس

میں زین العابدین عوام کی مزاحمت کو برداشت نہ کر سکا اور بھاگ گیا تو اس پر معاویہ سیاستی نے مذکورہ جملہ لکھا تھا۔ یہ جملہ حکومتی کارندوں سے بالکل برداشت نہیں ہوا اور معاویہ سیاستی کو اٹھالیا گیا۔ معاویہ کے ساتھ دو ساتھی اور بھی تھے جب ان بچوں کے والدین ایجنسیز کے پاس اپنے بچوں کو لینے گئے تو ان کے ساتھ حد درجے بد تمیزی کی گئی۔ ان سے کہا گیا کہ ''بچوں کو بھول جاؤ، نئے پیدا کرلو، تم پیدا نہیں کرسکتے تو اپنی عورتیں ہمارے پاس بھیج دو ہم پیدا کر دیں گے''۔ جب یہ گفتگو منہ در منہ کان در کان ہر شہری تک پہنچ گئی تو گویا یہ آخری مرحلہ تھا جس کے بعد شامی عوام کے صبر کا پیمانہ لب ریز ہو گیا اور عوام آناً فاناً سڑکوں پر آگئی اور ''ہمارے بچے واپس کرو'' کے نعرے لگانا شروع کر دیے۔

لیکن کسی نے بشار الاسد کا نام لے کر مخالف نعرہ نہیں لگایا مگر دوراہ (اس علاقے کا نام ہے جہاں پر معاویہ نے اپنے اسکول کی دیوار پر جملہ تحریر کیا تھا) سے دور واقع دار لحکومت دمشق میں یہ نعرے عرب اسپرنگ کی آمد سمجھے گئے لہذا فوراً ہیلی کاپٹروں سے اسپیشل فورسز دوراہ روانہ کر دی گئیں۔ پر امن مظاہرین کو منتشر کرنے کے لیے طاقت کا استعمال ہوا۔ پہلے روز دو، دوسرے روز آٹھ ہلاکتیں ہوئیں اور یوں سرکاری پھرتیوں کے سبب ایک مقامی جھگڑا انٹرنیٹ پر اپ لوڈ وڈیوز کے ذریعے قومی جھگڑے کا وائرس بن کر دمشق، حماہ، حلب اور رقہ تک احتجاجی انداز میں پھیلتا چلا گیا۔ دوراہ میں حکام نے ان تین بچوں کو عوامی دباؤ میں آکر 47 روز بعد چھوڑ تو دیا مگر 47 دنوں میں تشدد در تشدد کی کہانی اتنی آگے بڑھ چکی تھی کہ تینوں بچوں کی رہائی کا کوئی فائدہ نہ ہوا، بات بہت آگے بڑھ چکی تھی۔

شامی صدر بشار الاسد نے اس زعم میں کہ طاقت کے استعمال سے عوامی مظاہروں کو کچل دیا جائے گا، 15 مارچ سے شروع ہونے والے حکومتی کریک ڈاؤن کے نتیجے میں 28 مارچ تک

60 مظاہرین شہید کر دیے۔ حکومتی کریک ڈاؤن کی شدت کے ساتھ ہی یہ مظاہرے شام بھر میں پھیلنے لگے۔ 18 اگست 2011ء کو شامی حکومت کے خونریز کریک ڈاؤن کے جواب میں امریکی صدر باراک اوباما نے بشار الاسد کے استعفے کا مطالبہ اور امریکا میں تمام شامی حکومتی اثاثوں کو منجمد کرنے کا اعلان کر دیا۔ یہ اقدام امریکا نے بشار الاسد پر روس نوازی کے الزام کی وجہ سے کیا تھا تاہم شامی صدر نے عالمی برادری کے مطالبات مسترد کر دیے اور حکومت مخالف مظاہرین کے خلاف کارروائی جاری رکھی، شامی حکومت کے ان اقدامات سے شامی عوام سیخ پا ہو گئے اور مختلف مہارت رکھنے والوں نے اپنی خدمات حکومت کی مخالفت میں پیش کیں جس کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

شامی فضائیہ کے ایک سابق پائلٹ عبود نے قصبے کے نواحی گاؤں نعیمہ میں پندرہ نوجوانوں کو سرکاری اسپیشل فورسز کے حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ابتدائی تربیت دی، ایک اور شامی شہری ابو قصی (جو دبئی میں بطور انجینیر ملازمت کر رہا تھا) نے جب اپنے شہر کا ماجرا سنا تو نوکری چھوڑ چھاڑ کر واپس آ گیا۔ اپنی پیشہ ورانہ مہارت کا استعمال کرتے ہوئے اس نے پائپوں اور دھاتی اسکریپ کو استعمال کرتے ہوئے دیسی بندوقیں بنانے کا تجربہ کیا، ابو قصی نیم تباہ اور قبضے میں آنے والے سرکاری اسلحے کو دوبارہ مرمت کر کے قابلِ استعمال بناتا تھا۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود بھی تشدد کا یہ سلسلہ نہ رکا اور 19 جولائی 2012ء تک حکومتی کریک ڈاؤن کا سلسلہ حلب تک پھیل گیا۔ وہاں مظاہرین اور حکومتی دستوں میں لڑائی شروع ہوئی تو یہ تاریخی شہر تباہی سے دوچار ہونا شروع ہوا، حلب کی تباہی سے کون واقف نہیں؟ جو کچھ حلب میں ہوا وہ کون نہیں جانتا؟ حلب کے اوپر ڈھائے گئے مظالم کا اندازہ حلب کے کھنڈروں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے اس طرح درعا، حمص، ادلب اور دمشق کے نواح میں بھی جھڑپوں میں شدت آ گئی۔

اسی دوران حکومت مخالف مظاہرین کی تحریک مکمل باغی فورسز میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ دسمبر 2012ء میں برطانیہ، امریکا، فرانس، ترکی اور خلیجی ممالک نے باغی قوتوں کو شامی عوام کا قانونی نمائندہ تسلیم کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی اسد کی حامی افواج کے خلاف کارروائی میں ''سیریین کولیشن'' سے تعاون بھی شروع کر دیا گیا۔ اس وقت بھی شامی صدر نے عالمی مطالبات مسترد کر دیے۔ دوسری طرف اسد کے خلاف جاری لڑائی میں عسکری گروہ بھی ملوث ہو گئے جن میں القاعدہ نمایاں تھی۔ 19 مارچ 2013ء کو خان العسل میں کیمیائی حملہ کیا گیا، جس کی وجہ سے چھبیس افراد مارے گئے۔ ان میں زیادہ تر تعداد شامی فوجیوں کی تھی۔ اقوام متحدہ کے معائنہ کاروں کے مطابق یہ ''سارن گیس'' کا حملہ تھا۔ البتہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کارروائی کس نے کی تھی۔ حکومت اور باغی فورسز نے اس حملے کے لیے ایک دوسرے کو موردالزام ٹھہرایا۔ اسی سال عراق اور شام میں داعش کے دہشت گرد جنگجوؤں نے بھی اپنی کارروائیاں بڑھا دیں۔

27 ستمبر 2013ء کو شامی تنازعے میں کیمیائی ہتھیاروں سے حملوں کی وجہ سے اقوام متحدہ نے دمشق حکومت کو خبردار کیا کہ اگر اس نے اپنے کیمیائی ہتھیاروں کو ناکارہ نہ بنایا تو اس کے خلاف عسکری طاقت استعمال کی جائے گی۔ تب صدر بشار الاسد نے ان خطرناک ہتھیاروں کے ناکارہ بنانے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ اسی دوران سیاسی خلا کی وجہ سے انتہا پسند دہشت گرد گروہ داعش نے شام میں اپنا دائرہ وسیع کرنا شروع کر دیا۔ جنوری 2014ء کو شامی شہر رقہ پہلا شہر تھا، جہاں انتہا پسند، دھوکے باز اور دشمنِ دین گروہ داعش نے مکمل کنٹرول حاصل کیا تھا۔ جون میں داعش نے اس شہر کو اپنا نام نہاد ''دارالخلافہ'' قرار دے دیا جس کے بعد ان جنگجوؤں نے اسی مقام سے اپنے حملوں کا دائرہ وسیع کرنا شروع کر دیا۔ 22 ستمبر کو امریکی اتحادی افواج نے داعش کے ٹھکانوں پر فضائی حملوں کا آغاز کیا۔ 23 ستمبر 2015ء کو شامی تنازعے میں روس اگرچہ پہلے

بھی بشار الاسد کے ساتھ تعاون جاری رکھے ہوئے تھا تاہم اس دن ماسکو حکومت شامی خانہ جنگی میں عملی طور پر فریق بن گئی۔ تب روسی جنگی طیاروں نے اسد کے مخالفین کے خلاف بمباری کا سلسلہ شروع کر دیا۔

مارچ 2016ء میں روسی فضائیہ کی مدد سے شامی دستوں کو مزید تقویت ملی اور جلد ہی انھوں نے جنگجوؤں کے قبضے میں موجود کئی علاقوں کو زیرِ نگیں کر لیا۔ اس لڑائی میں اب شامی فوج کو ایران نواز شیعہ ملیشیا حزب اللہ کا تعاون بھی حاصل ہو چکا تھا۔ مارچ میں ہی اس اتحاد نے ”پالمیرا“ میں داعش کو شکست دے دی۔ دسمبر 2016ء میں روسی جنگی طیاروں اور حزب اللہ کے جنگجوؤں کے تعاون سے شامی فوج نے حلب میں بھی مجاہدین کو پسپا کر دیا۔ تب تک یہ شہر خانہ جنگی کے باعث کھنڈرات میں بدل چکا تھا۔ شہری علاقے میں شامی فوج کی یہ پہلی بڑی کامیابی قرار دی گئی۔

جنوری 2017ء کو امریکا، ترکی، ایران اور روس کی کوششوں کی وجہ سے شامی حکومت اور باغی گروہوں کے مابین ایک سیز فائر معاہدہ طے پا گیا۔ تاہم اس ڈیل کے تحت مجاہدین کے خلاف کارروائیوں کا سلسلہ ترک نہ کیا گیا۔ اپریل 2017ء کو ڈونلڈ ٹرمپ نے اقتدار سنبھالنے کے چند ماہ بعد حکم دیا کہ شامی حکومت کے اس فوجی اڈے پر میزائل داغے جائیں، جہاں سے مبینہ طور پر خان شیخون میں واقع شامی باغیوں کے ٹھکانوں پر کیمیائی حملہ کیا گیا تھا۔ اس پوری خانہ جنگی میں امریکا کا کردار منافقانہ رہا۔ بشار الاسد چونکہ روس نواز تھا لہذا امریکا نے بشار حکومت گرانے کے لیے باغیوں کی حمایت کی مگر بشار کی ناکامی اصلاً مجاہدین کی جیت تھی اس لیے امریکا اس سے جلد ہی پیچھے ہٹ گیا۔

تاہم دوسری طرف روس شامی صدر کو عسکری تعاون فراہم کرتا رہا۔ جون 2017ء کو امریکی

حمایت یافتہ سیریین ڈیموکریٹک فورسز (ایس ڈی ایف) کے جنگجوؤں نے رقہ کا محاصرہ کر لیا۔ کرد اور عرب جنگجوؤں کے ایک متحدہ الائنس نے اس شہر میں داعش کو شکست دینے کے لیے کارروائی کا اعلان کیا۔ اسی ماہ روس نے اعلان کر دیا کہ ایک فضائی حملے میں داعش کا رہنما ابوبکر البغدادی مارا گیا ہے البتہ اس روسی دعوے کی تصدیق نہ ہو سکی۔ اکتوبر 2017ء کو اس الائنس نے رقہ کا مکمل کنٹرول حاصل کرنے کی خاطر کارروائی کا آغاز کیا۔ مہینے بھر کی جنگ کے نتیجے میں اس فورس نے ۱۷ اکتوبر کو اعلان کیا کہ داعش کو مکمل طور پر پسپا کر دیا گیا ہے۔ اس پیش قدمی کو داعش کے لیے ایک بڑا دھچکا قرار دیا گیا تاہم شامی خانہ جنگی کے دیگر محاذ پھر بھی ٹھنڈے نہ ہوئے۔

حال ہی میں ترکی نے اپنے دفاع کے لیے شامی علاقے آفرین پر امریکہ کے ایما پر بغاوت کرانے والے کردوں کے خلاف ''آپریشن زیتون'' کا آغاز کیا ہے۔ شرپسند کردوں نے متعدّد بار ترکی کو مذموم سرگرمیوں کا نشانہ بنایا ہے اور کردوں سے ترکی کی سلامتی کو خطرہ لاحق رہا ہے۔ اس آپریشن میں ترکی کو شامی حکومت، روس اور ایران کی اخلاقی حمایت حاصل رہی ہے۔ ان سب کا یہ کہنا ہے کہ کرد باغیوں کو امریکا سپورٹ کر رہا ہے اور ترکی کو اس آپریشن سے روک رہا ہے مگر ترکی وہ کر رہا ہے جو اس کے اور شامی عوام کے حق میں ہے۔ یاد رہے کہ دوسری طرف روس اور شامی حکومت نے شام کے شہر ''غوطہ'' میں نہتے عوام پر بمباری کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے جس میں اب تک سینکڑوں شہری شہید ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ تادم تحریر جاری ہے۔

شامی خانہ جنگی کی مختصر روداد ملاحظہ کرنے کے بعد ایک عام آدمی بھی اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اگر یہ سات برس تک جاری رہنے والی لڑائی شامی بمقابلہ شامی تک ہی محدود رہتی تو شاید ایک آدھ برس میں کسی ایک فریق کی فتح اور دوسرے کی شکست پر منتج ہو چکی ہوتی۔ لیکن شومئ قسمت کہ ایسا نہ ہو سکا اور یہ لڑائی چند ماہ بعد ہی شامیوں کے ہاتھ سے نکل کر عالمی طاقتوں کے مفاد کی

جنگ بن گئی اور سرزمین شام عالمی طاقتوں کی پنجہ آزمائی کے لیے گویا ایک میدان جنگ بن گیا۔ نئے اسلحے کے تجربے ہوں یا زہریلی گیسوں کا انسانوں پر استعمال، انسانی سروں کو بے دردی سے کاٹنا ہو یا عمارتوں کو مکینوں سمیت زمین بوس کرنا، یہ اور اس طرح کے دیگر واقعات جن سے انسانیت شرما جائے پچھلے سات آٹھ سال میں سرزمین شام پر رونما ہوئے۔ کثیر تعداد میں شامی بچے یتیم، عورتیں بیوہ اور نوجوان قتل اور بے گھر ہو گئے، لاکھوں شامی ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے اور آج کل دیگر ممالک میں ہجر کے دن گزار رہے ہیں۔ آج بھی شام کے اندر عوام کی ایک بڑی تعداد گھاس کھانے پر مجبور ہے، انھیں اس کے علاوہ کچھ بھی کھانے کو میسر نہیں جبکہ بعض علاقوں میں نباتات ختم ہو جانے کے بعد وہاں کے علمائے کرام نے کتے، بلیوں اور دیگر حرام جانوروں سے غذائی ضروریات پوری کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

* * * * *

شامی خانہ جنگی میں عالمی طاقتوں کے مفادات اور ترکی کا مسیحانہ کردار

جناب محمد ایاز صاحب

شام کی سرزمین کو قرآن نے بابرکت قرار دیا ہے اور رسالت مآب ﷺ نے شام کے لیے ''علیکم بالشام''(ملک شام سے تمھارا خصوصی تعلق ہونا چاہیے)، ''طوبیٰ للشام'' (خوشخبری ہے شام کے لیے) اور ''کنانۃ الاسلام'' (اسلام کا ترکش) جیسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ یہ سرزمین وہ مبارک قطعۂ ارضی ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ کی کئی بزرگ و چنیدہ ہستیاں یکے بعد دیگرے آتی رہی ہیں اور اس علاقے کو نور الٰہی سے منور کرتی رہی ہیں۔

اس کے علاوہ شام کا علاقہ قدیم متمدن دنیا کی عظیم اقوام کا مسکن رہا ہے۔ یہاں پر نہ صرف یہ کہ مختلف اوقات میں مختلف اقوام نے حکومتیں کی ہیں بلکہ جدید دور میں بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے جیسا کہ حالیہ خانہ جنگی میں مختلف اقوام کی شمولیت اس کی اہمیت پر دال ہے۔

شام میں اس وقت بشار الاسد کی حکومت ہے۔ یہ علوی نصیری فرقے سے تعلق رکھتا ہے جو کُل شام کی آبادی کا 10 سے 15 فیصد ہے۔ اس 15 فیصد اقلیت نے 85 فیصد سنی اکثریت کو بدترین استحصال اور ظلم کا نشانہ بنایا ہوا ہے۔ شام میں اس اقلیت کی بربریت کا اندازہ یتیموں، بیواؤں اور بے گھر ہونے والوں کی تعداد سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ جب بھی کسی خطۂ زمین سے کسی طاقتور کے مفادات وابستہ ہوئے اس نے ہمیشہ اس خطے کو مفادات کے حصول کے لیے ویران کیا، اور یہ معاملہ دور جدید کے فاتحین ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ماضی میں بھی اسی

طرح ہوتا آرہا ہے، سورۃ النمل آیت نمبر 34 میں ملکہ سبأ کے الفاظ اسی جانب اشارہ کرتے ہیں جب وہ اپنے مشیروں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مکتوب سے متعلق مشورہ لے رہی تھی کہ "إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً" ترجمہ: "حقیقت یہ ہے کہ بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب کرڈالتے ہیں، اور اس کے باعزت باشندوں کو ذلیل کرکے چھوڑتے ہیں" اور اس کے بعد قرآن میں ملکہ سبا کا یہ جملہ بھی مذکور ہے کہ "وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ" ترجمہ: "یہ (بادشاہ) ایسا ہی کیا کرتے ہیں" یعنی ان کا وتیرہ ہی یہ ہے کہ جب کسی بستی میں جا گھستے ہیں تو اسے تخت و تاراج کر دیتے ہیں۔یہی معاملہ شام کا بھی ہے، شام کی اس سرزمین سے بھی عالمی طاقتوں کے مختلف مفادات وابستہ ہیں جن کی بدولت آج شام لہولہان اور ظلم کی ایک تصویر بنا ہوا ہے۔تصویر بھی ایسی کہ دیکھ کر انسانیت کا سر شرم کے مارے جھک جائے۔

ان مظالم کو ذکر کرنے سے پہلے کہ جن کے ذریعے داستان ہجرت و نصرت رقم ہوئی بڑی طاقتوں کے ان مفادات کو ذکر کرتے ہیں جو اس خطے کو لہولہان کرنے اور خانہ جنگی پیدا کرنے کے باعث بنے۔شام میں خانہ جنگی برپا کرنے والوں کے مفادات جو اس سرزمین سے وابستہ ہیں کچھ یوں ہیں:

روس حالیہ خانہ جنگی میں سب سے زیادہ ظالمانہ کردار ادا کررہا ہے اور انسانیت کی تذلیل اور مسلم دشمنی میں سب سے آگے ہے، اس خطے میں روس کے پاس صرف ایک فوجی اڈا ہے جو طرطوس کے مقام پر واقع ہے اور اس کے ذریعے وہ گرم پانی تک رسائی اور خطے میں اثر و رسوخ قائم رکھنا چاہتا ہے۔اس کے برعکس امریکہ کے پاس جزیرۃ العرب میں متعدّد اڈے ہیں جن سے وہ اس خطے میں اثرورسوخ قائم کرچکا ہے جو کہ روس کے لیے ناقابل برداشت ہے۔

اس لیے روس اس اڈے کو بچانے کے لیے کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار ہے۔ اور اس اڈے کو بچانے کے لیے لازم ہے کہ شام میں بشار الاسد کی حکومت مضبوط اور مستحکم ہو۔ لہٰذا روس بشار الاسد کی حکومت کی مخالفت میں کھڑی ہر رکاوٹ ہٹا دینا چاہتا ہے اس لیے وہ شامی عوام پر، جو اسد کی مخالفت میں کھڑی ہے، کسی بھی قسم کے مظالم سے دریغ نہیں کر رہا ہے۔

اسرائیل و امریکہ کے مفادات یہ ہیں کہ اسرائیل کے منصوبے "گریٹر اسرائیل" کو تکمیل تک پہچانے کے لیے لازم ہے کہ شام کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے کیونکہ شام کا علاقہ گولان ہائٹس اسرائیل کے منصوبے کا حصہ ہے اور اس مقصد کے لیے اسرائیل کے بے دام غلام (امریکہ) نے سرزمین شام کو لہو لہان کرنے کا ٹھیکہ لیا ہے۔ امریکہ نے شام کی اس بربادی میں بھیمانہ کردار ادا کیا ہے اور کر رہا ہے۔ اس علاقے میں داعش کو لے کر آنا پھر اس کو محفوظ راستوں سے دوبارہ نکالنا اور شام میں ایک بھرپور خانہ جنگی کے ماحول کو پیدا کرنا امریکہ کے کارنامے ہیں اور ان سب کا ایک ہی مقصد ہے کہ کسی طرح شام کو ٹکڑوں میں تقسیم کیا جائے تاکہ یہودی آقاؤں کے منصوبے کی تکمیل ممکن ہو سکے۔

اس خانہ جنگی میں ایران کے بھی کچھ مفادات ہیں، ایران جو کہ شیعی عالمگیریت کے لیے توسیع پسندانہ عزائم رکھتا ہے، اس کا بھی اس خانہ جنگی میں اہم کردار ہے۔ شام میں اس وقت جو اقلیت برسرِ اقتدار ہے وہ اہل تشیع ہے اور ایران اس معاملے کو فرقہ وارانہ رنگ دے کر انتہائی بھیانک کردار ادا کر رہا ہے۔ ثالث یا مصلح بننے کے بجائے شام میں ظالم اقلیت سے مکمل تعاون، جنگی حکمتِ عملی اور افرادی قوت کی فراہمی وہ وجوہات ہیں جن کی وجہ سے شام میں خانہ جنگی طول پکڑ رہی ہے۔ شام کی موجودہ صورتحال یہ ہے کہ کئی شہر ملیامیٹ کر دیے گئے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ اب شہر غوطہ زیرِ عتاب ہے جہاں اب تک 4 لاکھ 50 ہزار شامی جامِ شہادت نوش

کر چکے ہیں جب کہ لاکھوں افراد معذور اور بے گھر ہو گئے ہیں۔ پورے شام میں شام غم ہے، ہر آنکھ اشکبار اور ہر انسان مظلومیت کی ایک تصویر بنا ہوا ہے۔ظالم کا طریقۂ واردات بھی نرالا ہے جہاں خون بہانا مقصود اور ظلم کی داستان رقم کرنا مقصود ہو وہاں واردات سے پہلے بجلی، پانی، اور زمینی راستوں کو منقطع کر دیا جاتا ہے اور پھر ہیلی کاپٹروں سے ہسپتال، درس گاہ اور آبادی کا پاس رکھے بغیر بمباری شروع کر دیتا ہے۔ان مظالم کو چھپانے کے لیے غیر ملکی صحافیوں اور ذرائعِ ابلاغ پر پابندی عائد کی جاتی ہے اور صرف ان کو خبر دینے کی اجازت دی جاتی ہے جو بشار حکومت کا مثبت رخ پیش کرتے ہیں۔

اس صورت حال میں ترکی کا کردار انتہائی قابل تحسین ہے، امریکہ، روس اور برطانیہ سمیت بہت سارے ممالک کے لیے ترکی ناقابل برداشت حد تک دردِ سر بنا ہوا ہے۔اس کی وجہ خوب ظاہر ہے کہ ترکی وہ کام کر رہا ہے جو ان تمام ممالک کے لیے ناقابلِ برداشت ہیں۔ ان خدا کے دشمنوں نے مسلمانوں کے دِلوں سے باہمی محبت و اخوت کے جذبوں کو نکال باہر کرنے، ایثار و مروت کے جذبات کو ناپید کرنے، ہوس پرستی اور حبِ مال کو ان کے لیے مزین کرنے کا ایک منظم انتظام کیا تھا اور اس کوشش میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی تھے۔اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج مسلم ممالک کے سیکیولر نوجوان، مسلمانوں کی اس عالمی سطح پر سرکوبی سے متعلق یہ کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں کہ فلسطین کا مسئلہ ان کا اپنا مسئلہ ہے اس میں ہم مداخلت کیوں کریں، شام کا مسئلہ ان کا اندرونی مسئلہ ہے ہم اس میں مداخلت کیوں کریں؟ تو ایسے میں ایک ملک (ترکی) جو ایسے تصورات کو فروغ دینے میں پیش پیش ہے جن کے ذریعے کسی قوم کے اندر مروت، اخوت اور ایثار کا جذبہ پروان چڑھے، ان اسلام دشمن عناصر کے لیے کیسے قابل برداشت ہو سکتا ہے جو ان اعلیٰ اقدار کے خاتمے پر تلے ہوئے ہیں، اور پھر

ایک ایسی فکر کو فروغ دینا جس میں ہر مسلمان مسلمان کا بھائی اور سب ایک دوسرے کے درد و غم میں شریک ہوں کیسے قابل برداشت ہو سکتا ہے۔ یعنی سادہ الفاظ میں اگر کہا جائے تو امت مسلمہ کے اتحاد اور اخوتِ ایمانی کی فکر زندہ کرنے والا اگر اتحاد کو پارہ پارہ کرنے والوں کی آنکھوں میں نہ کھٹکے تو اور کیا ہو؟

یہی وجہ ہے کہ ترکی عالمی سامراجی طاقتوں کے لیے خطرے کی گھنٹی اور ان کی امیدوں پر پانی پھیرنے کی وجہ سے ان کی نظروں میں سب سے زیادہ کھٹکنے والا ملک ہے۔ شام، پچھلے سات آٹھ سال سے مسلسل خانہ جنگی کی زد میں ہے شام میں وہاں پر مظلوم شامی عوام کو نہ صرف یہ کہ بمباری اور ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے بلکہ انھیں وہاں سے نکلنے بھی نہیں دیا جاتا۔ ان کی مدد کے لیے جانے والوں کو بھی نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس طرح کے بہت سارے واقعات منظر عام پر آچکے ہیں جس میں ہسپتالوں اور ایمبولینسوں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس طرح ان جنگ زدہ علاقوں سے مہاجرین کو نکالنا کوئی آسان کام بھی نہیں ہے لیکن ترکی رفاہی ادارے ان مہاجرین کے لیے وہاں مختلف ٹیمیں بھیج کر ان کو وہاں سے نکال لاتے ہیں۔ یہ خدمات انجام دینے والے جذبۂ ایمان کے ساتھ اس خدمت کو انجام دے رہے ہیں۔

اس جذبے کی پختگی کا اندازہ اس سے لگا لیجیے کہ جب ترکی رضا کار نوجوانوں کو کسی علاقے میں خدمت کے لیے جانا ہوتا ہے تو انھیں ان مقامات تک پہنچنے سے پہلے جہاں سے متاثرین کو نکالنا ہوتا ہے ایک خاص قسم کا ٹریکر دیا جاتا ہے تاکہ حالات خراب ہونے یا خطرناک علاقے میں داخل ہوتے وقت خبردار کیا جا سکے۔ یہ ٹریکر ان کے ہیلمٹ میں نصب ہوتا ہے جس سے ان کے مقام کی نشاندہی ہوتی ہے، وہ نوجوان اس ٹریکر کو پچھلی صفوں میں چھوڑ جاتے ہیں تاکہ خدمتِ خلق میں مانع نہ ہو اور جذبۂ ایمانی کو ٹھیس نہ پہنچے۔ اس طرح ترکی بڑی مقدار میں

مہاجرین کو جنگ زدہ علاقوں سے نکال کر محفوظ مقامات پر منتقل کر رہا ہے۔ اب تک دمشق، حما، حلب اور حمص سے لاکھوں مہاجرین کو عزت کے ساتھ محفوظ مقامات پر منتقل کر دیا گیا ہے۔ چونکہ ظلم تھمنے کا نام نہیں لے رہا اور تا حال یہ بربریت جاری ہے لہٰذا اس سے متاثر ہونے والوں کے لیے رہائش کا انتظام بھی کیا جا رہا ہے اور انھیں بھی پر اُمن مقامات پر منتقل کرنے کا کام جاری ہے۔

اب تک کئی لاکھ مہاجرین ترکی کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیے گئے ہیں اور ترکی نے دِل کھول کر ان مہاجرین کو خوش آمدید کہا ہے اور کہہ رہا ہے۔ عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جب کوئی قوم ہجرت پر مجبور کی جاتی ہے تو دوسری اقوام ان کی مجبوری کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ان سے بے گار میں کام لیتی ہے، ذلیل اور رسوا کرتی ہے لیکن ترکی کا رویہ مہاجرین کے ساتھ یکسر مختلف ہے۔ یہاں نہ ان سے کوئی مطالبہ کیا جاتا ہے اور نہ ان کی مجبوری کا ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے بلکہ اپنے علاقوں کے نام ان سے منسوب کر دیتے ہیں جیسے مدینۃالانصار وغیرہ اور ان کی عزت نفس کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ اس کا اندازہ ترکی کے اس اقدام سے لگایا جاسکتا ہے کہ ابھی حال ہی میں قطر سے کچھ امداد ان متاثرین کی مد میں آئی لیکن ان کا کہنا تھا کہ وہ اس امداد کو خود متاثرین میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں جس پر ترک انتظامیہ نے ان کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی اور ان سے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ یہ مہاجرین سادات ہیں، باعزت لوگ ہیں اور اولادِ انبیا علیہم السلام میں سے ہیں ہم انھیں امداد کے لیے قطاروں میں نہیں لگا سکتے ہم انھیں ضرورت کی اشیاء ان کے گھروں کی دہلیزوں تک پہنچاتے ہیں اور وہ ان اشیا کو باعزت طریقے سے وصول کرتے ہیں۔ ترکی میں شامی مہاجرین کو مہمان کہتے ہیں اور ان کے ساتھ جو برتاؤ کرتے ہیں وہ دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔

ان مہاجرین کے لیے رہائش کے مختلف انتظامات کیے گئے ہیں چونکہ مہاجرین زیادہ ہیں اور کسی بھی ریاست کے لیے لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کو اچانک بسانا مشکل ہوتا ہے اس لیے ان مہاجرین کو کیمپوں میں رکھا جاتا ہے لیکن وہاں پر بھی ان کے لیے رہائش کے حوالے سے بہترین انتظامات کیے جاتے ہیں۔ یہ کیمپ شام اور ترکی کے بارڈر پر واقع ہیں جہاں پر ترکی کی طرف سے شامی مہاجرین کے لیے مختلف خیمہ بستیاں لگائی گئی ہیں۔ ان کیمپوں میں رہائش کے لیے ہر خاندان کے پاس ایک گھر ہوتا ہے۔ ترکی نے آج کے دور میں ایک عظیم الشان مثال قائم کی ہے۔ ترکی عوام نے اپنے شامی بھائیوں کو اپنے گھروں میں بھی جگہ دی ہے اور ان کے ساتھ برابری کی بنیاد پر ایک ہی گھر میں کئی کئی خاندان رہ رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح کرنے سے مدینے کے ان انصار کی یاد تازہ ہوتی ہے جن کے واقعات کبھی علماء سے دروس اور خطباء سے جمعے کے خطابات میں سنتے آئے تھے۔ آج ترکی عوام کی داستانِ نصرت میں چودہ سو سال پہلے کا مدینہ دکھائی دیتا ہے۔

کسی بھی خاتون کے لیے راحت اور سکون کا سبب اس کا ہمسفر ہوتا ہے لیکن بدقسمتی سے بشار الاسد کے مظالم سے لاکھوں خواتین سے ان کے خاوند چھین لیے گئے، ان کا ازالہ مادی اشیا سے ہونا تو محال ہے لیکن پھر بھی ترکی کی حکومت نے شامی بیواؤں کو ذاتی مکانات دینے کا پروگرام شروع کر رکھا ہے تاکہ ان کے درد و غم میں کچھ تخفیف ہو، اب تک سینکڑوں بیواؤں کو ذاتی گھر مہیا کیے گئے ہیں۔ وہ شامی مہاجرین جو صاحب ثروت ہیں اور استطاعت رکھتے ہیں ان کو کرائے پر گھر لینے کی سہولت فراہم کی گئی ہے کہ وہ ترکی کے شہروں میں بغیر کسی ویزہ فیس کے کہیں پر بھی رہائش اختیار کر سکتے ہیں آج مادہ پرستی کے اس دور میں ترک حکومت کے یہ اقدامات سراہنے کے قابل ہیں۔

موجودہ دور میں جہاں خود غرضی کو انسان کا قابلِ فخر بنیادی وصف قرار دیا جارہا ہو اور عملاً ہر آدمی اس کا پیکر بنا ہوا ہو ایسے دور میں ترکی کا شامی بھائیوں کے لیے اس قدر خدمات انجام دینا کسی کرامت سے کم نہیں۔ اس وقت ترکی میں موجود مہاجرین کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ اس قدر زیادہ لوگوں کے لیے کھانے پینے کا انتظام کسی بھی ترقی پذیر ملک کے لیے ایک بہت بڑا امتحان ہے اور پھر جب یہ خدمات روزانہ کی بنیاد پر ہوں تو اس کی شدت میں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن ترکی اس امتحان میں تاحال سرخرو ہے۔ ترکی کے رفاہی اداروں نے ان مہاجرین کے لیے خوراک کے مختلف انتظامات کیے ہیں۔ جن میں قابل ذکر وہ بیکریاں ہے جن میں روزانہ کی بنیاد پر لاکھوں روٹیاں مہاجرین کی بھوک مٹانے کے لیے بنتی ہیں۔ یہ بیکریاں شام اور ترکی کے سرحدی علاقے پر واقع ہیں۔ ان بیکریوں کا خرچہ مسلم ممالک کے عوام اور ترکی حکومت نے اپنے ذمے لیا ہے۔ یہ بیکری دراصل ایک آٹومیٹک روٹی پلانٹ ہے جسے ترکی میں بیکری کہتے ہیں۔ روزانہ ایک لاکھ روٹیاں پکا کر مہاجرین کے کیمپوں میں بھیجی جاتی ہیں اور زیتون چونکہ ترکی میں زیادہ ہے اور یہ ایک بہترین غذا بھی ہے اس کا تیل مہاجرین سالن کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ مزید برآں، خوشی کی بات یہ ہے کہ اس طرح کی ایک بیکری ترکی کے سرحدی شہر کلس میں پاکستانیوں کے عطیات سے بنی ہے جس پر لگ بھگ دو کروڑ روپے لاگت آئی ہے۔

ترکی نے ان مہاجرین کی تعلیم و تربیت کے لیے خاطر خواہ انتظامات کیے ہیں۔ مختلف ذرائع اور طریقوں سے شامیوں کو تعلیم سے آراستہ کیا جاتا ہے ان میں سے چند کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔ تعلیم کے سلسلے میں ایسے ہاسٹلز کا انتظام کیا گیا ہے جہاں بچے رہتے بھی ہیں اور پڑھتے بھی ہیں۔ ان ہاسٹلز میں پڑھانے والے ان ہی بچوں کے والدین اور رشتہ دار ہوتے ہیں۔ ان ہاسٹلز میں تین سیکشن ہوتے ہیں ایک صرف لڑکوں، دوسرا یتیم لڑکیوں اور تیسرا صرف

ان بچوں کے لیے خاص ہے جن کے ساتھ ان کے والدین بھی رہائش پذیر ہوتے ہیں۔ان بچوں کے لیے پڑھانے کے ساتھ ساتھ خوراک کا بھی انتظام اس ہاسٹلز میں ہوتا ہے ان کے بستے اور کتابیں ترک عوام کی طرف سے فراہم کی جاتی ہیں۔ہاسٹلز کی صفائی، بچوں کے کپڑوں کی دھلائی اور پڑھانے کی ذمے داری ان بچوں کی ماؤں نے اپنے ذمے لے رکھی ہے۔الحمد اللہ یتیم بچیوں کے لیے پاکستان کا بھی ایک اسکول کام کر رہا ہے۔ان اسکولوں میں مہاجرین کے ادب و ثقافت کا مکمل خیال رکھا جاتا ہے عموماً ہوتا یہ ہے کہ دیار غیر میں جاکر حالتِ ہجرت میں متاثرین اپنی زبان و ثقافت کو بھول جاتے ہیں لیکن ترکی نے اس کی روک تھام کے لیے بہترین انتظام کیا ہے۔

ترکی وزارت تعلیم نے تقریباً پانچ لاکھ بچوں کو اپنی تعلیم جاری رکھنے کا موقع فراہم کیا ہے اور یہ مسلسل کوشش کی جارہی ہے کہ کوئی بھی شامی بچہ بغیر تعلیم کے نہ رہ جائے۔شامیوں کے لیے ترکی کی سفارتی خدمات بھی کچھ کم نہیں اس وقت عالم اسلام میں ترکی ہی کے اندر ملت اسلامیہ کی یکجہتی کا جذبہ نظر آتا ہے جس کی وجہ سے ہر مظلوم کی آنکھ جب اٹھتی ہے تو مدد طلب نظروں سے ترکی کو پکار رہا ہوتا ہے۔اور ترکی اس کو باعث سعادت سمجھتا ہے۔فلسطین کا معاملہ ہو یا برما کا یا شام کی خانہ جنگی ہو ترکی نے ہمیشہ اپنے مسلمان بھائیوں کی نہ صرف یہ کہ کھل کر حمایت کی ہے بلکہ ظلم کے خلاف آواز بھی بلند کی ہے۔

* * * * *

تا کس نگوید بعد ازیں۔۔۔من دیگرم تو دیگری

جناب ہوش محمد پاشا صاحب

اسلام ہر ہر گوشے میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ اگر اس کو اپنے معبودِ حقیقی کی عبادت کا حکم دیتا ہے تو اس کی مخلوق کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرنے کی تلقین بھی کرتا ہے؛ انسانوں میں بھی بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ اخوت کے رشتے میں باندھتا ہے۔ مسلمانوں میں اس اخوت کا بارہا اظہار ہوا ہے اور ان شاء اللہ ہوتا رہے گا۔ اسی اخوتِ باہمی کی ایک مثال مسلمانانِ جنوبی ایشیا اور سلطنتِ عثمانیہ وترکی کا باہمی تعلق ہے۔ یہ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کے معاون رہے، جب برِّ صغیر میں شرک و بت پرستی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے تو جس طرح دیگر علما نے یہاں اصلاح کا کام کیا اسی طرح ترکی کے صوفیاے کرام بھی یہاں کے لوگوں میں مئے توحید عام کرنے کا باعث بنے۔ اسی طرح جب ترکی سے خلافت ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو خلافت کی حفاظت میں جو کہ دراصل دین کی حفاظت تھی صفِ اول میں ان کی مدد کرنے والے جنوبی ایشیا کے مسلمان تھے۔

نظریاتی تعاون کا جائزہ لیا جائے تو اس کے بیش بہا نظائر ملتے ہیں مثلاً ایک تو یہ کہ جب 1906ء میں خلیج عقبہ میں برطانیہ عثمانی بحران پیدا ہوا تو اس کے دوران میں برطانوی فوج میں شامل مسلمانوں میں بالکل 1857ء جیسی بے چینی اور سرکشی کے آثار نظر آنے لگے اور افغانی سرحد کے مسلمان قبائل ہتھیار اٹھانے تک کے درپے ہوگئے۔ دوسرے یہ کہ جب خلیفۃ

المسلمین سلطان عبد الحمید دوم کی مسلمانوں کو یکجا کرنے کی تحریک (اتحادِ اسلام/پین اسلام ازم) کے خلاف محسن الملک نے جو کہ فکرِ سرسید کے حامل تھے یہ بیان دیا کہ تمام مسلمانانِ جنوبی ایشیا پر خلیفہ کی اطاعت لازم نہیں بلکہ خلیفہ کی اطاعت کا دائرہ صرف اسی کے ملک تک محدود ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں پر برطانیہ کی اطاعت لازم ہے تو تمام جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے ان کے اس قول پر غم وغصے کا اظہار کیا، حتیٰ کہ انھیں قومی نظریے کا غدار بھی کہا گیا۔ تیسرے یہ کہ ترک دشمن مہم گلیڈسٹون کی بھرپور مذمت کی گئی۔

اس داستانِ نصرت کا ایک اہم دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب سلطنتِ عثمانیہ کو زبردستی جنگِ عظیم میں دھکیلا گیا جو کہ برطانیہ اور یورپ کے درمیان چھڑی تھی، سلطنتِ عثمانیہ نے یہ جنگ یورپ کی جانب سے لڑی پھر جب جنگِ عظیم میں برطانیہ کا پلہ بھاری رہا تو جنگ عظیم ختم ہونے کے بعد برطانیہ اور اس کے اتحادیوں نے ترکی اور سلطنتِ عثمانیہ کے امن وامان سے متعلق وعدوں سے صرف نظر کرنا چاہا جو وہ مسلمانانِ ہند سے اس وقت کیے تھے جب انھیں جنگِ عظیم میں ان کی ضرورت تھی اور دار الخلافہ استنبول اور دیگر مقامات مثلاً مصر، طرابلس اور بلقان وغیرہ کو ہڑپنا چاہا تو اس طرزِ عمل کی مذمت پر کئی اقدامات کیے گئے لہٰذا جب اٹلی نے طرابلس پر جارحانہ حملہ کیا اور جب بلقان میں مقامی باشندوں کی جانب سے بغاوت ہوئی جس کے پیچھے دراصل مقامی باشندوں سے زیادہ بیرونی دشمنوں کا ہاتھ تھا تو دونوں ہی مواقع پر سلطنتِ عثمانیہ کی حمایت میں کئی مضامین لکھے گئے جن میں برطانیہ کے ظاہری غیر جانبدارانہ طرزِ عمل پر تنقید کی گئی اور یورپ پر بھی تنقید کی گئی جو خود کو امن وسلامتی کا خوگر گردانتا ہے۔

اس سانحے کے بعد مولانا عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں ''انجمنِ خدامِ کعبہ'' نامی تنظیم وجود میں آئی جس کا مقصد مسلمانوں کے مقدس مقامات کی حفاظت کرنا تھا۔ اس تنظیم کے تحت

کئی قراردادیں پاس ہوئیں، مولانا عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں کئی کانفرنسوں کا انعقاد ہوا، ہندوستان کے مختلف مقامات پر احتجاج ہوئے مثلاً بنگال، الہٰ آباد، چاندپور، حیدر آباد، بہرام پور، کلکتہ، ڈھاکہ اور بنارس وغیرہ، غرض جنوبی ایشیا کے تمام مسلمان یک زبان ہو گئے۔ تمام ہی ذرائع سے برطانیہ کو اس کے کیے گئے عہد یاد دلائے گئے، خلافت پر حملہ کرنے پر ملکی بدنظمی و انتشار کی صورت میں ظاہر ہونے والے نتائج سے آگاہ کیا گیا اور اس پر صرف ہندوستان کے ہی نہیں پوری دنیا کے مسلمانوں کے اٹھ کھڑے ہونے کی دھمکی بھی دی گئی۔ شیخ قدوائی نے برطانیہ کو ان الفاظ سے للکارا: ”ایک ایسے دور میں جبکہ ایک بے مثال قوم (ترک) ذلیل و خوار ہو رہی ہے، ایک ایسی سلطنت (سلطنتِ عثمانیہ) کو جس کی تاریخ شاندار فتوحات سے بھری ہوئی ہے منتشر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور ایک عظیم الشان مذہب (اسلام) کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کی جا رہی ہے آپ یقیناً ہم سے خاموش رہنے کی توقع نہیں کر سکتے۔ کیا کسی بھی باعزت قوم کا رویہ ہم سے مختلف ہو سکتا ہے“۔

جب زبانی و تحریری احتجاجات بے سود ہوتے نظر آئے تو ایک تحریک کی صورت میں کام کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ لہٰذا اس مقصد کے پیشِ نظر 1919ء میں دو تحریکات وجود میں آئیں جن کا مقصد ایک ہی تھا کہ مسلمانوں پر ہونے والے ظلم کی باز پرس ہو۔ ایک خلافت کمیٹی اور دوسری جمعیت علمائے ہند جس کے بانی مولانا عبد الباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے سرکردہ علمائے دین تھے۔

23 نومبر 1919ء کو ”خلافت کانفرنس“ نامی ہندو مسلم رہنماؤں کا ایک مشترکہ اجلاس منعقد ہوا جس میں گذشتہ مطالبات پورے نہ ہونے کی صورت میں انگریزوں کے خلاف کاروائی کے واضح فیصلے کیے گئے۔ ایک وفدِ خلافت تشکیل دیا گیا جس نے اس فیصلے سے تعلق

رکھنے والے تمام ممالک یعنی برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کو سلطنتِ عثمانیہ کی اہمیت اور اس کے ختم کرنے کی کوشش کے نتیجے میں ہونے والے عالمی انتشار سے آگاہ کیا جس کے لیے اس وفد نے ابتداءً لندن (جہاں برطانیہ کے وزیرِ اعظم کا دفتر تھا) اور پھر پیرس، روم اور سوئزر لینڈ تک سفر طے کیا۔ انھی کاوشوں کے نتیجے میں اتحادیوں نے سلطنتِ عثمانیہ کے ساتھ معاہدہ کرنا اپنے حق میں بہتر جانا جس کا نام معاہدۂ سیورے رکھا گیا مگر یہ بھی ڈھونگ ثابت ہوا اور اس معاہدے کی اکثر شقیں سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف رکھی گئیں۔

معاہدۂ سیورے پر ابتداءً سید امیر علی نے ''دی ٹائمز'' میں احتجاج کیا پھر آل انڈیا مسلم لیگ اور خلافت کمیٹی نے سخت احتجاج کیا اور دونوں جماعتوں نے اپنے اپنے اجلاسِ عام میں بھی اس کی سخت مذمت کی۔ ترکی جمہوری تحریک نے بھی اس معاہدے کو ٹھکرا دیا اور اس کے بعد مصطفی کمال اتاترک کے زیرِ قیادت ترکی کی جنگِ آزادی کا آغاز ہوا۔ اس کے نتیجے میں جب بلقان کے شہر ادرنہ (Edirne) پر ترکوں نے دوبارہ قبضہ کیا تو ان کے قبضے کو تسلیم کروانے کے لیے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی جانب سے تمام عالم میں صدائیں بلند کی گئیں۔ مزید برآں جب ترکوں اور ہندوستانیوں کے مابین تعلقات کو خراب کرنے کی غرض سے ترکی کی انجمن اتحاد و ترقی کو جنوبی ایشیا میں بدنام کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کا بھرپور جواب دیا گیا۔

اس کے علاوہ جب جنگِ عظیم کے دوران سلطنتِ عثمانیہ کی جانب سے مدد کی اپیل کی گئی تو اس کی نشر و اشاعت کی غرض سے ہندوستان میں ترکی، اردو، ہندی اور عربی زبان میں ''جہان اسلام'' نامی اخبار دور دراز کے علاقوں تک پھیلایا گیا جو کہ دراصل استنبول سے شائع ہوتا تھا حتیٰ کہ جنگ کے دوران برطانوی مسلمان سپاہیوں میں بھی تقسیم کیا گیا۔ اسی کے تسلسل میں 1915ء میں ایران و افغانستان کے حریت پسند مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف یکجا کرنے

کے لیے ڈاکٹر عبد الحفیظ کی سربراہی میں ''انجمنِ نوجوانانِ ہند'' قائم کی گئی اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، ان کے ساتھیوں اور خصوصًا ان کے دستِ راست مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی میں ریشمی رومال کی تحریک چلائی گئی جو کہ انگریز کے خلاف ملک گیر بغاوت کی منصوبہ بندی تھی۔ یہ تو اپیل کے جواب میں کوششیں تھیں مگر مسلمانانِ ہند کبھی اپیل کے منتظر نہیں رہے جب کبھی اپنے بھائیوں کو مشکل میں پایا ان کی مدد کو آگے بڑھے لہٰذا جب شریفِ مکہ حسین نے خلیفۂ وقت کے خلاف بغاوت کی تو اولاً انجمنِ خدامِ کعبہ کے رہنما مولانا عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے اور بعد ازاں ہندوستان کے تمام پریس کی جانب سے مخالفت کی گئی اور اس حرکت کو اسلام اور مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کے مترادف قرار دیا گیا، اسی واقعے پر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

بیچتا ہے ہاشمی ناموسِ دینِ مصطفی
خاک و خوں میں مِل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش

مسلمانانِ ہند ترکی اور سلطنتِ عثمانیہ کی مالی مدد میں کبھی پیچھے نہ رہے، ہر موقع پر ان پر سب کچھ نچھاور کیا، چنانچہ جب بھی دنیا کے کسی بھی کونے سے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی خبر آتی تھی ہندوستان کا مسلمان بالکل اسی شدتِ الم سے تڑپ اٹھتا تھا جس کا نقشہ اس شعر میں سامنے آتا ہے ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے!

اسی طرح جب طرابلس میں مسلمانوں کے لشکر کو شکست ہوئی تو ہندوستان کے معروف عالم مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک درد انگیز مرثیہ کہا ؎

كَيْفَ الْقَرَارُ وَ قَدْ نُكِس !! اَعْلَامُنَا بِطَرَابِلِس

ترجمہ: قرار کیسے نصیب ہو جبکہ ہمارے جھنڈے طرابلس میں سرنگوں کر دیے گئے!

اور اسی طرح پوری امت مسلمہ کی زبوں حالی پر مولانا حالیؔ نے اپنی شہرہ آفاق مسدس ''مد و جزر اسلام'' لکھ ڈالی جس کی ابتدا ان اشعار سے ہوتی ہے۔

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

اور اسی طرح آخر میں رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں یوں گریہ کناں ہوئے۔

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
وہ دیں جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے!

مزید برآں علامہ اقبالؔ نے جزیرہ صقلیہ کے واقعے کو یوں قلم بند کیا۔

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونابہ بار وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار!
تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی
زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے
غلغلوں سے جن کے لذت گیر اب تک گوش ہے کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے!

اور کبھی ہسپانیہ سے مخاطب ہو کر نوحہ خواں ہوئے۔

ہسپانیہ تو خونِ مسلماں کا امیں ہے مانند حرم پاک ہے تو میری نظر میں
پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں خاموش اذانیں ہیں تری باد سحر میں
کیونکر خس و خاشاک سے دب جائے مسلماں مانا، وہ تب و تاب نہیں اس کے شرر میں

کبھی مسجد قرطبہ سے خطاب کرتے ہوئے یہ والہانہ اشعار کہے۔

اے حرم قرطبہ! عشق سے تیرا وجود عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود

تیری فضا دل فروز، میری نوا سینہ سوز | تجھ سے دلوں کا حضور، مجھ سے دلوں کا کشود
کعبۂ ارباب فن، سطوتِ دینِ مبیں | تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں
ہے تہِ گردوں اگر حسن میں تیری نظیر | قلبِ مسلماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں
دیدۂ انجم میں ہے تیری زمیں، آسماں | آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذاں
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں | عشق بلا خیز کا قافلۂ سخت جاں!

اسی نظم میں علامہ اقبالؔ نے امت کے احیا کی بشارت بھی سنائی۔

آبِ روانِ کبیر! تیرے کنارے کوئی | دیکھ رہاہے کسی اور زمانے کے خواب
عالمِ نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں | میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
پردہ اٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے | لانہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب
جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی | روحِ امم کی حیات، کشمکشِ انقلاب

یہی علامہ اقبالؔ کبھی طرابلس کی جنگ میں غازیوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہونے والی فاطمہ بنت عبداللہ سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

فاطمہ! تو آبروے امتِ مرحوم ہے | ذرہ ذرہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت، حور صحرائی! تری قسمت میں تھی | غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی
یہ کلی بھی اس گلستان خزاں منظر میں تھی | ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی
فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے | نغمۂ عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے
رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے | ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی ہنگامہ تیری تربتِ خاموش میں | پل رہی ہے ایک قومِ تازہ اس آغوش میں

اور کبھی ترکوں کے مصائب پر اپنے کرب کا اظہار کرنے کے بعد اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی خوشخبری

بھی سناتے ہیں۔

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی | افق سے آفتاب ابھرا، گیا دور گراں خوابی
عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے | شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی
سرشک چشم مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا | خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے | یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے | کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

اور اس کے لیے مسلمانوں کو جو پیغام عمل دیتے ہیں اس کا اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ۔

تو راز کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہوجا | خودی کا رازداں ہوجا، خدا کا ترجماں ہوجا!
ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو | اخوت کا بیاں ہوجا، محبت کی زباں ہوجا
یہ ہندی وہ خراسانی، یہ افغانی وہ تورانی | تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بیکراں ہوجا
غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے | تو اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہوجا

الغرض مسلمانان برصغیر پاک و ہند کا مزاج ہمیشہ سے آفاقی رہا، جب کبھی عالمِ اسلام میں سے کسی خطے پر مشکل وقت آیا یہاں کے مسلمانوں نے نہ صرف احتجاجی اور اشتعال انگیز رویہ اختیار کیا بلکہ اس کے لیے عملی کوششیں بھی کیں مثلاً طرابلس پر حملہ ہوا تو اس کے فوراً بعد ترکی کے لیے ایک امداد کمیٹی قائم کی گئی جو بالخصوص ترک شہیدوں اور ان کے اہل خانہ کے لیے تھی۔ اسی طرح جب بلقان کا سانحہ پیش آیا تو انجمن حمایت اسلام کے زیرِ تحت امدادی مہم شروع کی گئی جس کا مقصود بلقان میں ترکوں کی مدد اور وہاں شہید ہونے والے سپاہیوں کے اہلِ خانہ کا ساتھ دینا تھا۔ ثالثاً یہ کہ جب معاہدۂ سیورے کے بعد ترکی میں تحریکِ آزادی نے جنم لیا تو محمد علی جوہر نے ترکی کی قومی تحریک آزادی کے لیے چندہ جمع کرنے کی ایک بڑی مہم کا آغاز کیا۔ انقرہ اور

از میر کے لیے دو الگ الگ فنڈ قائم کیے گئے۔ پہلے فنڈ کی رقومات فوجی کارروائیوں اور دوسرے کی غیر فوجی کارروائیوں میں استعمال ہوتیں۔ یہ مہم اس قدر پھیلی ہوئی تھی کہ اس میں چندہ جمع کرانے کے مقامات بھی طے نہ تھے بلکہ مہم میں شامل افراد ایک خاص لباس پہنے ہوتے تھے مثلاً سر پر ترکی ٹوپی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ خود کو اس کے لیے وقف کر چکے ہیں۔

اسی ضمن میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی شادی کا واقعہ درج کرنا یقیناً ایمان میں اضافے کا باعث ہوگا: حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی شادی کا قصہ بہت مشہور ہے، "سوانح قاسمی" صفحہ: 507 میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ کی روایت درج کی (گئی) ہے، وہ فرمایا کرتی تھیں کہ: "میرے والد شیخ کرامت حسین رئیسِ دیوبند نے جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے نکاح کر کے مجھے رخصت کیا تو اس زمانے کے لحاظ سے جہیز بہت بڑا اور عظیم الشان دیا جس میں قیمتی زیورات، کپڑے اور تانبے کے برتنوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب شبِ اول میں تشریف لائے تو آتے ہی نوافل شروع فرمائے، نوافل سے فارغ ہونے کے بعد میرے پاس تشریف لائے، انتہائی سنجیدگی اور متانت سے فرمایا: "جب تم کو اللہ نے میرے ساتھ وابستہ کر دیا ہے تو نبھاؤ کی ضرورت ہے، مگر بصورتِ موجودہ نبھاؤ میں دشواری ہے کہ تم امیر ہو اور میں غریب نادار ہوں، صورتیں دو ہی ہیں یا میں بھی تونگر بنوں یا تم میری طرح نادار بن جاؤ، اور میرا امیر بننا تو دشوار ہے اس لیے آسان صورت دوسری ہو سکتی ہے کہ تم میری طرح ہو جاؤ۔ کچھ اور بھی اسی طرح فرمایا۔ اخیر میں یہ فرمایا کہ اگر تم کو کسی بات کا حکم دوں جس میں تمھارا ہی نفع ہو تو کیا تم کو مجھ پر اعتماد ہوگا؟ کئی بار فرمانے پر بالآخر میں نے عرض کیا کہ مجھے آپ پر پورا اعتماد ہے، اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اچھا سب زیور اتار کر مجھے دے دو اور جس قدر تمھارے ساتھ کپڑے اور برتن ہیں اُن کا بھی مجھے اختیار دے دو۔ اِس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ نے بغیر کسی

تذبذب اور دغدغے کے عرض کیا کہ آپ کو کلّی اختیار ہے، اور پھر علی الصباح تمام زیورات، تمام جوڑے کپڑوں کے اور سارے برتن جو ہزاروں روپے کا سامان تھا، سب کا سب چندۂ سلطانی میں دے دیا (خلافتِ اسلامیہ ترکی کے لیے اُس وقت ہندوستان میں چندہ ہو رہا تھا)۔

رابعًا یہ کہ جب اناطولیہ کی مصطفیٰ کمال پاشا کے ہاتھوں مکمل فتح کی خبر ہندوستان پہنچی تو اس کے بعد 25 فروری 1922ء کو منعقد ہونے والی خلافت کانفرنس میں طے کیا گیا کہ اناطولیہ میں عنقریب تعمیر نو کا آغاز ہونے کی وجہ سے مالی امداد جاری رکھی جائے۔ مزید برآں انقرہ فنڈ کے چندوں میں اضافہ ہوا۔ اس کے اور بھی کئی نظائر ہیں مگر اس وقت ترکوں کو اموال سے کہیں زیادہ ضرورت افراد کی تھی۔

جانی تعاون پر سرسری نگاہ ڈالی جائے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ ان جانبازوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، کبھی یہاں ان کے دشمنوں کے لشکر میں بغاوت کی مثلاً جنوبی ایشیا کے دو مسلمانوں فہیم علی اور علی احمد صدیقی نے برطانوی مسلمان سپاہیوں میں کئی بغاوتیں برپا کی جن میں سے پہلی رنگون، دوسری سنگاپور اور تیسری پھر سنگاپور میں حتی کہ رمبولڈ کے بیان کے مطابق جنوبی ایشیا میں 1913ء اور 1914ء میں سترہ، 1915ء میں چھتیس اور 1916ء کے پہلے ششماہ میں پچیس چھوٹی چھوٹی بغاوتیں ہوئیں، تو کبھی ان کے شانہ بہ شانہ دشمن کے ساتھ لڑنے کے لیے ملکوں کے سفر کیے مثلاً سرحد اور دوسرے مقامات سے کئی نوجوانوں نے تنظیمِ مجاہدین میں شامل ہونے کی غرض سے افغانستان کا رخ کیا۔ انھی سرفروشیوں کی پاداش میں ان پر کئی مظالم ڈھائے گئے مثلاً علی برادران (مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی) اور ان کے ساتھیوں کو ترکوں کی حمایت مین مضامین لکھنے اور مہمات چلانے کے الزام میں قید کر دیا گیا، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کو اگست 1915ء میں ریشمی رومال کی تحریک کے باعث گرفتار کیا گیا،

1915ء میں سلطنتِ عثمانیہ کی طرفداری کرنے کی پاداش میں مسلمان برطانوی سپاہیوں میں سے تقریباً دوسو افراد کو تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا کیونکہ ان سے بغاوت کے آثار نظر آرہے تھے اور جنگ عظیم کے دوران برطانوی مسلمان سپاہیوں کی جانب سے حکم کی خلاف ورزی کرنے پر انھیں سور کے چمڑے کی رسی سے پھانسیاں دی گئیں۔

معاہدۂ سیورے کے بعد جب اناطولیہ کو دشمن (برطانیہ) کے پنجے سے آزاد کرانے کی کوششیں ترکی میں جاری تھیں تو کئی مسلمانوں نے ہندوستان پر کافروں کا قبضہ ہونے کی وجہ سے اس کو دار الحرب گردان کر وہاں سے ہجرت کر کے اناطولیہ پہنچنے اور اپنے ترکی بھائیوں کے ساتھ اپنے دشمن کے خلاف شانہ بشانہ لڑنے کا فیصلہ کیا، پر کچھ سفر کی کلفتوں کے باعث راستے ہی میں چل بسے اور جو افغانستان تک پہنچ سکے امیرِ افغانستان نے برطانیہ کے دباؤ میں ان کا داخلہ ممنوع کر دیا۔ پھر بھی کچھ جانبازوں نے بعض دوسرے راستوں سے انقرہ پہنچ کر ہی دم لیا اور اپنے بھائیوں کے شانہ بشانہ لڑے جبکہ کچھ مسلمان انگریزی فوج کے ساتھ ترکوں کے خلاف جنگ کے بہانے اناطولیہ آئے اور لشکر سے فرار ہو کر اناطولیہ پہنچے اور وہاں انجمن ترک ہند دوستی قائم کی۔ مسلمانانِ ہند اپنے بھائیوں کے لیے اس قدر فکر مند تھے کہ جب ان سے یہ وعدہ کیا گیا کہ اگر وہ برطانیہ کی طرف سے یورپ سے لڑیں تو جنگ کے خاتمے پر ترکی اور سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا جائے گا تو وہ اس انگریز تک کی مدد کے لیے تیار ہو گئے جس کی شکل سے انھیں نفرت تھی۔ لہٰذا جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے جنگِ عظیم میں بڑے پیمانے پر برطانوی فوج میں اسی توقع پر شمولیت اختیار کی۔ سرکاری ریکارڈز کے مطابق 1916ء میں ایک لاکھ تیرہ ہزار، 1917ء میں دو لاکھ چوہتر ہزار اور 1918ء میں پانچ لاکھ مسلمانوں سے عسکری خدمت لی گئی۔ اس کے علاوہ جب وہاں جنگ کے حالات پیدا ہوئے اور لوگ زخمی ہوئے تو ڈاکٹر مختار

احمد انصاری کی سربراہی میں ایک طبی مشن ترکی بھیجا گیا۔

ان ہی قسم کی کاوشوں کا اعتراف کرتے ہوئے مصطفیٰ کمال پاشا نے مسلمانانِ ہند کے نام اپنے خط میں یہ کہا:

''ہمیں اس کا یقین ہے کہ ہندوستان میں آزادی کی تحریک عنقریب کامیابی سے ہمکنار ہوگی اور ہم اس کے لیے صبح و شام دعا گو ہیں۔ ہم نے جو فتح حاصل کی ہے، اس میں ہندوستان کے عوام کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ خاص طور پر آپ نے ہمارے نہایت مشکل وقت میں ہماری جو کھل کر مدد کی ہے اور جس بے لوث طریقے سے آپ نے اپنا سارا قیمتی اثاثہ ہمارے حوالے کیا ہے وہ ہم کبھی نہیں بھول سکتے۔ یہ بر وقت امداد ہمارے بہت کام آئی۔ اس کے بعد اب ہمیں آپ کی اخلاقی مدد و حمایت کی ضرورت ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ ہم امن کا معاہدہ زیادہ اچھی شرائط پر کر سکیں گے بلکہ ترقی و رفاہ کی راہ پر زیادہ ثابت قدمی کے ساتھ گامزن ہو سکیں گے''۔

*****

پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق

جناب ہوش محمد پاشا صاحب

تاریخ ہمیشہ اس لیے مرتب کی گئی کہ اس کے ذریعے اگلے پچھلوں سے سبق حاصل کریں اور جس تاریخ میں ایسا نہ ہو وہ تاریخ کا نہیں ''اساطیر الاولین'' کا درجہ پاتی ہے۔ یہ بات صدفیصد درست و راست اور یقیناً قابلِ فخر ہے کہ ہمارے سلفِ صالحین کا طرزِ عمل ہمیشہ حق کا ساتھ دینے کا رہا۔ مگر ہمارے واسطے اصل یہ ہے کہ ہم نے ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے کیا کیا؟ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے سلفِ صالحین و متقین کے نقشِ پا کی پیروی کرتے ہوئے اسی منزل کی راہ پر گامزن ہوں جسے وہ پا چکے۔ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو آج پھر وہی صورت نظر آتی ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں پیش آئی تھی اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے ایک گروہ پر جرم گناہ کی پاداش میں بے پناہ مظالم ڈھائے گئے کہ وہ ایک خدا کے نام لیوا تھے اور ظلم و بربریت کا بازار اس قدر گرم کیا گیا کہ وہ ہجرت کے لیے مجبور ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہجرت سے خوش ہو کر انھیں ایسا مقام بطورِ پناہ گاہ عطا کیا جس کے رہنے والوں نے ان کا خوشی خوشی استقبال کیا اور اگرچہ گروہِ اول نے زبان سے کچھ نہ مانگا پر گروہِ ثانی نے سب کچھ اپنے ان بھائیوں پر قربان کر دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس حدیث کا مصداق ثابت ہوئے: ﴿من أَحَبَّ للهِ و أَبْغَضَ لله و أَعْطى لله و مَنَعَ لله فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ﴾

تاریخِ اسلامی میں گروہِ اول کو مہاجرین اور گروہِ ثانی کو انصار کے نام سے موسوم کیا

گیا۔ آج پھر وہی صورت پیدا ہوئی ہے کہ شام کے ملک میں بشار الاسد نے اپنے اقتدار کی حفاظت کی خاطر اپنے تمام وطن کو سولی پر چڑھانے سے دریغ نہ کیا اور اگرچہ دورِ حاضر میں کل دنیا کو ایک گاؤں سے تشبیہ دی جاتی ہے پر کوئی اس گھر کے رہنے والوں کی فریاد سن کر نہ آیا اور گھر آہ و فغاں سے گونجتا رہا۔ اس ملک میں کونسا ہتھیار ہے جو استعمال نہ کیا گیا، نہتے عوام کو گولہ و بارود اس طرح مارا گیا جیسے انسان نہیں چڑیوں کا شکار ہو۔ لاکھوں لوگوں کا قتلِ عام ہوا، اہلِ شام شام سے دربدر ہو گئے۔ لہٰذا انھوں نے بھی ہجرت کی اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی رحمت سے انھیں ترکی کی صورت میں ایک پناہ گاہ عطا کی۔ یہ اس خطے کے افراد کا فخر ہے جو آج بھی امت کا وہ تصور دلوں میں اجاگر کیے ہوئے ہیں جو نبی اکرم ﷺ تمام مسلمانوں کو دے کر گئے تھے۔ البتہ آج ہم مسلمانانِ ہند و پاک کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ ہمارا تعاون اس وقت نہ ہونے کے برابر نظر آتا ہے، ہمارے حکمرانوں کا طرزِ عمل تو ظاہر و باہر ہی ہے اور ان سے کوئی توقع بھی رکھنا مشکل ہے کہ وہ خوابِ غفلت میں ہیں، مگر اس عوام کو اپنے مسلمان بھائیوں کی فکر لازم ہے جو آج بھی کہیں شعور اور کہیں تحت الشعور میں وہ جذبۂ ایمانی رکھتی ہے جو مسلمانوں کو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند مضبوط کرتا ہے۔

لہٰذا اولاً ضرورت اس امر کی ہے کہ پھر اس جذبۂ اخوت کو بیدار کیا جائے جو نظریۂ امت کی کوکھ سے جنم لیتا ہے اور اس نظریۂ امت کو اجاگر کرتے ہوئے اپنے ترک بھائیوں کے ساتھ تعاون کی ہر ممکنہ صورت کو اختیار کیا جائے۔ دراصل اسی جذبۂ ایمانی میں ہمارے تمام مسائل کا حل چھپا ہے، اسی عشقِ الٰہی کی آگ کو تیز سے تیز تر کرنا اور اس کی گرمی سے جسم کو گرمائے رکھنا ہی ہمارا نیکیوں میں مشغول رہنے اور گناہوں سے بچے رہنے کا واحد ذریعہ ہے اور یہی جذبہ عالمِ مادی سے بے پرواہ کر دیتا ہے اور خود کو فی سبیل اللہ کھپا دینے میں مدد دیتا ہے۔ لہٰذا اسی عشق کی

گرمی میں ہماری ہر کمزوری کا علاج چھپا ہے بقولِ شاعر؎

علاج آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا

یہی ہماری تاریخ کے ہر ہر ورق میں نظر آتا ہے، اسی جذبے کے تحت مقامِ بدر میں تین سو مسلمان ہزار کے مقابلے میں آکھڑے ہوئے، اسی جذبے نے عربوں کو ایک عالمی طاقت قیصر سے لڑنے پر مجبور کیا، اسی جذبے نے عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو زمین کے زلزلے کو ایک کوڑے سے روکنے کی طاقت دی، اسی جذبے نے محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو مال و متاع چھوڑ کر سومنات کے بت کو پاش پاش کرنے پر آمادہ کیا، اسی جذبے نے طارق بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی کشتیوں کو راکھ کر دیا، اسی جذبے نے مسلمانوں سے بحرِ ظلمات میں گھوڑے دوڑوا دیے۔ الغرض مسلمانوں کی ہر فتح کا راز جذبۂ ایمانی میں پوشیدہ ہے۔

ثانیاً یہ کہ اس جذبے میں استقلال و دوام سے کام لیا جائے، ایسا نہ ہو کہ آگ کے شعلے کی مانند یک بارگی جلے اور ختم ہو جائے بلکہ اپنے اس فریضے کی بار بار یاددہانی کا سامان ہو۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ یہ سانحہ ہوئے کچھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور اس کے اثرات "نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں" کے مصداق ایک عرصے تک نظر آتے رہیں گے لہٰذا ایک جہدِ مسلسل کے لیے کمربستہ ہوا جائے اور جلنے کے بجائے سلگا جائے۔ کیونکہ دین اسی کا تقاضہ کرتا ہے، وہ کارِ دیں پسندیدہ ہے جو اگرچہ زیادہ نہ ہو پر مداومت کے ساتھ ہو بفحوائے حدیث: ﴿أَحَبُّ الأعمالِ إلى اللهِ أَدْوَمُها وإِنْ قَلَّ﴾ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہترین عمل وہ ہے جس میں دوام ہو اگرچہ تھوڑا ہو)۔ ایک وقتی و جذباتی کیفیت اگر ہم میں پیدا ہوتی ہے اور ہم اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کو لپکتے ہیں، مگر کچھ ہی عرصے کے بعد وہ جذبہ کھو بیٹھتے ہیں اور اس عرصے میں اگرچہ ہم نے سفر تو طویل طے کیا پر منزل نہ پا سکے تو ہمارے لیے بڑے افسوس کا مقام

ہو گا، لہٰذا اس جذبے کو مسلسل یاد دہانی کے ذریعے برقرار رکھا جائے اور دیر سے ہی سہی پر اپنی منزل کو پایا جائے بقولِ جناب زکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ ؎

دھیمی دھیمی چال سے ہم کو راہ گزر طے کرنی ہے
ناز تھا جن کو تیز روی پر منزل تک وہ آئے کم

ثالثاً ہر شخص دامے درمے سخنے ہر طور سے اپنا یہ فریضہ انجام دے غرض جانی اور مالی اعتبار سے بھی خود کو اس کارِ خیر میں کھپادے اور ساتھ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو یاد رکھتے ہوئے اس خیر کے کام کی جانب دوسروں کو بھی متوجہ کرے جس میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ﴿الدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ﴾ ترجمہ: بھلائی کی جانب رہنمائی کرنے والا اس کے کرنے والے کی مانند (اجر پانے والا) ہے۔

اس فریضے کے انجام دینے کی کئی صورتیں ممکن ہیں، اگر جانی سطح پر دیکھا جائے تو وہ اشخاص جو اس کارِ خیر میں خود کو ہمہ تن وقف کیے ہوئے ہیں یا وہ ادارے جو اس فریضے کی ادائیگی میں حصہ ڈالے ہوئے ہیں ان کی تلاش کی جائے اور خود کو ان کی جناب میں پیش کر دیا جائے اور اس کے بعد جو خدمت وہ مناسب جانیں لے لیں۔

علاوہ ازیں مالی سطح پر کرنے کا کام یہ ہے ان اداروں کی اس کارِ خیر کے انجام دینے میں مالی معاونت کی جائے۔ ہر شخص اپنی بساط کے مطابق اس میں حصہ لے اور مقدار سے زیادہ اخلاص پر توجہ دے۔ اگر مالِ کثیر کی استطاعت رکھتا ہے تو فبہا لیکن اس کا صاحبِ ثروت نہ ہونا اس کو اس خیر کے کام سے محروم نہ کرنے پائے اور ایک صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا محنت سے کمائی ہوئی چند کھجوروں کا اخلاص کے ساتھ پیش کرنا یاد رکھا جائے۔ اور دعوتی سطح پر شام کے مسلمان بھائیوں کی اس صورتحال سے دیگر مسلمانوں کو آگاہ کیا جائے اور ان کے غم کے ایام میں ان کا ساتھ

دینے کی دعوت دی جائے۔

رابعًا اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کے ساتھ ہی ان ظالموں کے خلاف آواز بلند کی جائے جن کے ہاتھوں ظلم و بربریت کا بازار گرم ہوا، جو صرف اپنے فائدے کو دیکھتے ہوئے دوسروں کو نقصان پہنچاتے ہیں، تاکہ اس ظلم کا خاتمہ کیا جاسکے جو تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

خامسًا اپنے مظلوم مہاجر بھائیوں کے لیے بھی اور انصار بھائیوں کے لیے ہمہ وقت دعا گو رہا جائے، یہی اسلاف و اخلاف کی روایت رہی ہے کہ اگرچہ اسباب کے حصول میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے مگر اس کے باوجود نگاہ ہر وقت مسبب الاسباب پر جمائے رہتے۔ کبھی اسباب نامی مخلوق انھیں خالق سے جدا نہ کرپاتی۔ اگرچہ دعا کا ذکر مؤخر ہے مگر یہ مرحلہ اس فریضۂ دینی کے ہر مرحلے کا جزوِ لاینفک ہے، اس کی ابتدا فریضے کی ابتدا سے ہے اور اس کا اختتام اس کے اختتام کے ساتھ منسلک ہے۔ جہاں اپنے مسلمان بھائیوں کے حق میں دعاؤں کا مانگنا لازم ہے وہیں اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کارِ خیر میں اپنے شب و روز لگادینے اور تن من دھن کھپانے کی توفیق مانگی جائے اور ساتھ ہی اس راہ میں کیے گئے تمام اعمال کی قبولیت کی دعا کرتے رہا جائے اور ہر اس وقت جو قبولیتِ دعا کا ہے اپنے مظلوم بھائیوں کو یاد رکھا جائے۔

سادسًا اس کارِ خیر میں ”فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ“ کے مصداق ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کی جائے۔ جو اشخاص اس کارِ خیر میں ہمہ تن مشغول ہوں انھیں سراہا جائے اور ان کا دست و بازو بنا جائے اور ان واقعات کو یاد کیا جائے جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خیر کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی مثالیں قائم کیں اور آپس میں باقاعدہ مقابلہ کیا۔ مثلاً عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا آدھا سامان لائے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا تمام سامان لے آئے۔

الغرض آج پھر امتِ مسلمہ کی سطح پر ”رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ“ کا نقشہ پیش کیا جائے اور ہر وہ طاقت

جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کھڑی ہو اس سے جذبہ ''أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ'' سے نمٹا جائے اور مسلمان پھر ایک ہوں اور بنیانِ مرصوص کی مانند ظاہر ہوں جنھیں کفر کی کوئی طاقت گرا نہ سکے۔ وہ نگاہِ مؤمن بیدار ہو کہ عقل و خرد کا احتساب کرے اور اس کو ان کاموں سے روکے جو تمام انسانیت کے حق میں مضر ہیں بقولِ شاعر:

گمان مبر کہ خرد را حساب و میزاں نیست
نگاہ بندۂ مؤمن قیامت خرد است

یہ نہ سمجھ کہ عقل کے لیے حساب نہیں ہے نگاہِ بندۂ مؤمن اس کے لیے قیامت ہے۔

* * * *

ہنگامۂ طرابلس و بلقان

علامہ شبلی نعمانی

حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشاں کب تک
چراغ کشتۂ محفل سے اُٹھے گا دُھواں کب تک

قبائے سلطنت کے گر فلک نے کر دیے پرزے
فضائے آسمانی میں اڑیں گی دھجیاں کب تک

مراکش جا چکا، فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ٹرکی کا مریضِ سخت جاں کب تک

یہ سیلابِ بلا بلقان سے جو بڑھتا آتا ہے
اُسے روکے گا مظلوموں کی آہوں کا دھواں کب تک

یہ سب ہیں رقصِ بسمل کا تماشا دیکھنے والے
یہ سیر اُن کو دکھائے گا شہیدِ نیم جاں کب تک

یہ وہ ہیں؛ نالۂ مظلوم کی لے جن کو بھاتی ہے
یہ راگ اُن کو سنائے گا یتیمِ ناتواں کب تک

کوئی پوچھے کہ اے تہذیب انسانی کے استادو!
یہ ظلم آرائیاں تا کے، یہ حشر انگیزیاں کب تک؟

یہ جوش انگیزی طوفان بیداد و بلا تا کے!
یہ لطف اندوزئ ہنگامۂ آہ و فغان کب تک؟

یہ مانا تم کو تلواروں کی تیزی آزمانی ہے
ہماری گردنوں پر ہو گا اس کا امتحان کب تک

نگارستانِ خوں کی سیر گر تم نے نہیں دیکھی!
تو ہم دکھلائیں تم کو زخم ہائے خوں چکاں کب تک

یہ مانا گرمئ محفل کے ساماں چاہییں تم کو
دکھائیں ہم تمھیں ہنگامۂ آہ و فغاں کب تک

یہ مانا قصۂ غم سے تمھارا جی بہلتا ہے
سنائیں تم کو اپنے دردِ دل کی داستاں کب تک

یہ مانا تم کو شکوہ ہے فلک سے خشک سالی کا
ہم اپنے خون سے سینچیں تمھاری کھیتیاں کب تک

عروسِ بخت کی خاطر تمھیں درکار ہے افشاں!
ہمارے ذرہ ہائے خاک ہوں گے زرفشاں کب تک

کہاں تک لو گے ہم سے انتقامِ فتحِ ایوبیؔ
دکھاؤ گے ہمیں جنگِ صلیبی کا سماں کب تک

سمجھ کر یہ کہ دُھندلے سے نشانِ رفتگاں ہم ہیں
مٹاؤ گے ہمارا اس طرح نام و نشاں کب تک

زوال دولتِ عثماں، زوالِ شرعِ ملت ہے
عزیزو! فکرِ فرزند و عیاں و خانماں کب تک

خدارا تم یہ سمجھے بھی کہ یہ طیاریاں کیا ہیں
نہ سمجھے اب تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کب تک

پرستارانِ خاکِ کعبہ دنیا سے اگر اُٹھے
تو پھر یہ احترامِ سجدہ گاہِ قُدسیاں کب تک

جو گونج اُٹھے گا عالم شورِ ناقوسِ کلیسا سے
تو پھر یہ نغمۂ توحید و گلبانگِ اذاں کب تک

بکھرتے جاتے ہیں شیرازۂ اوراقِ اسلامی
چلیں گی تندِ بادِ کفر کی یہ آندھیاں کب تک

کہیں اُڑ کر نہ دامانِ حرم کو بھی یہ چھو آئے
غبارِ کفر کی یہ بے محابا شوخیاں کب تک

حرم کی سمت بھی صید افگنوں کی جب نگاہیں ہیں
تو پھر سمجھو کہ مرغانِ حرم کا آشیاں کب تک

جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو شبلیؔ اب کہاں جائیں
کہ اب امن و امانِ شام و نجد و قیرواں کب تک

* * * *

امید بھی نوید بھی

حضرت مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب مدظلہ

ترکی کے اصلاح پسند گزشتہ چند عشروں سے چومکھی لڑ رہے ہیں۔ اس دوران وہ اندرونی محاذ پر کس قدر کامیاب ہیں اس کا جائزہ تو لیا جاتا رہتا ہے، لیکن بیرونی دنیا خاص کر اپنے قدیم اور تاریخی و روایتی حلیف پاکستان میں جدید ترکی کے تعارف کی مہم ترک حضرات کے بجائے وہ پاکستانی احباب چلا رہے ہیں جو حالیہ سالوں میں ترکی کے سفر پر گئے اور پھر بے ساختہ اپنے سفر کی روداد لکھنے پر مجبور ہو گئے۔ ماضی کی دریافت کی جو کوششیں ان سفرناموں کے ذریعے ہوئیں اور ماضی کے دریچوں سے جھانک کر روشن مستقبل کی جو امید ان تحریروں نے دکھائی ہے وہ در حقیقت عظیم ماضی کی تلاش اور درخشاں مستقبل کی پیش بندی ہے۔ ان تحریروں میں آنکھوں دیکھا حال بھی ہے جو امید بندھاتا ہے اور کانوں سنی کارگزاری بھی ہے جو نوید بن کر جھلملاتی ہے۔ پاکستان اور ترکی امتِ مسلمہ کے دو بازو ہیں جو جس قدر قریب آئیں اتنا ہی دونوں کا فائدہ ہے اور جتنی جلد قریب آئیں اس میں پوری امت کے لیے خیر کے متعدد پہلو مضمر ہیں۔ یہ کتاب اسی نیک مقصد کے حصول کے لیے لکھی گئی ہے اور امید ہے کہ اس مقصد کی تکمیل میں مؤثر اور کارگر ثابت ہوگی۔